حکمت الالہام

مصنفہ

پادری جی۔ ایل۔ ٹھاکرداس

امریکن۔ یو۔ پی۔ مشن گجرانوالہ

امریکن ٹرکٹ سوسیٹی کی لئے

لودیانہ

امریکن مشن پریس میں پادری ای۔ پی۔ نیوٹن صاحب کے

اہتمام سے چھپا

سنہ ۱۸۸۹ع

دفعہ اول

جلد ۵۰۰

حِکمتُ الاِلہام

مُصنّفہ

پادری جی-ایل-ٹھاکرداس

امریکن-یو-پی-مشن گجرانوالہ

امریکن ٹرکٹ سوسیٹی کی لئے

لودیانہ

امریکن مشن پریس میں پادری ای-پی نیوٹن صاحب کے اہتمام سے چھپا

سنہ ۱۸۸۹ء

دفعہ اول

فہرست مضامین مقصد اول

فہرست مضامین مقصد دوم

ہمارے ملک ہندوستان پر وہ زمانہ آگیا ہی جس میں یورپ اور امریکا کی ہر قسم
کی تعلیم کا اثر ہونے لگا ہی۔ جس میں سے ایک رنگ یہہ ہی کہ دینی معاملات میں لوگ آوارہ
خیالوں میں اُلجھ رہے ہیں اور وہ بھی اِسلئے کہ بائبل مقدس کو نہ مانیں جو خداوند کریم نے
اپنے الہام سے بنی آدم کی ہدایت کے لئے بخشی ہی۔ عقل کی پیروی کا بہت چرچا ہی۔
بعضے جھوٹوں سمجھے ہوئے ہیں کہ الہامی کتابوں کے ماننیوالے عقل کو دخل نہیں دیتے
حالانکہ وہ لوگ اہل عقل کی نسبت عقل کے مرتبہ و فضیلت کے زیادہ تر قائل ہیں اور الہام
الٰہی بھی عقل ہی کو مخاطب کرتا ہی (۱ تسلونیقیوں ۵ - ۲۱) اور یہہ کہتے ہیں کہ جس طرح ایک
کی عقل دوسرے کی عقل کو علم اور ہدایت دیسکتی ہی اِسی طرح ممکن ہی کہ خدا کی عقل یعنے الہام
انسان کی عقل کو ہدایت دے سکے۔ پس اِس رسالہ حکمت الالہام کے تحریر کرنے سے

یہہ غرض ہی کہ اُن خیالوں اور تجویزوں کے مقابل میں جن میں لوگ اُلجھے جاتے ہیں واضح کیا جاوے کہ باوجود موجودگی عقل کے الہام الٰہی میں کیا حکمت ہی اور عقل سے بڑھکر اُسمیں کیا دانائی ہی تاکہ نہ صرف اہل عقل بلکہ ہر ملّت کے لوگ جانیں کہ دین عیسوی کیا ہی اور میرے مسیحی بھائی بھی اپنے ایمان میں تقویت پاویں جو زمانہ کے خیالوں اور خرابیوں سے گھبراتے ہوں۔ خداوند ہماری مدد کرے۔ آمین ؁

عقل اور کانشنس اور ایمان کے بیانمیں

یہہ امر بدیہی اور لاکلام ہے کہ خالق نے نیچری انسان کو نیچر میں معقول اور ضروری سامان دیکر بسایا تھا۔ تاکہ نہ صرف علوم دنیاوی میں بلکہ تعلیم اور عمل اخلاق میں کوشش کرسکے۔ اِس امر کی نہ صرف بنی آدم کی دینی اور دنیاوی تاریخ تاحال شاہد ہے بلکہ الہام بھی مذہب طبعی کی صداقت اور انسان کے نیچری سامان پر گواہی دیتا ہے۔ اب اصل بحث سے پیشتر مناسب ہے کہ ہم اپنے نیچری سامان کا اندازہ کریں۔ اور تب ہم الہام کی یا تو ازحد سخت مخالفت کرسکینگے اور یا دل کے کمال شوق اور محبت سے اُس کی پیروی کرنے پر آمادہ ہونگے۔ اور ہمارے نزدیک عقل اور کانشنس اور ایمان وہ قدرتی سامان ہے*

فصل اوّل

عقل کے بیان میں

عقل روح انسانی میں وہ قوت ہے جو سوچتی ہے۔ حقیقتوں اور صداقتوں کو معلوم کرتی۔

ایک شے یا خیال کا دوسرے سے مقابلہ کرتی اور نتیجے نکالتی ہے۔ اُسکی غور و فکر و تجسس میں دو قسم کے امور شامل ہیں ایک باطنی دوسرے ظاہری۔ باطنی وہ جو اِس کے اندرونی یا نادیدنی دائرہ کے متعلق ہیں۔ اور ظاہری وہ جو عالم بیرونی کے متعلق ہیں۔ قسم اول میں وہ اپنی اندرونی حرکات کو معلوم کرتی اور جانچتی ہے اور قسم دوم میں عقل عالم ظاہری کا علم حاصل کرتی اور بموجب اپنے انصاف کے نتیجے ظاہر کرتی ہے۔ ہر دو حال میں وہ اپنے تئیں عالم کرتی ہے۔ واضح ہو کہ کائنات میں صداقتیں ایک ہی قسم کی نہیں ہیں۔ لیکن جسمانی ہیں عقلی ہیں اور اخلاقی ہیں۔ اور پھر اگر اُن صداقتوں میں سے کوئی یا اُن کے متعلق کوئی امر ثبوت طلب یا قابل ثبوت ہو تو اُن کی فکر و تجسس میں ویساہی ڈھب اختیار کرتی ہے جو مناسب ہو۔ اور اگر کوئی بدیہی ہے تو اُسکا علم روح کے تیقن ذاتی کے متعلق ہوتا ہے۔ ایسا اعلیٰ جوہر انسان کو دیکر خالق نے اُسے اس عالم میں رکھا تاکہ نہ صرف اس موجودات کی چیزوں پر غور و فکر کر کے وہ علم و ہنر دریافت کرے جو انسان ہر زمانہ میں کرتے رہے ہیں۔ بلکہ خالق کی مرضی معلوم کرے اور اپنے فرایض کے علم و عمل کے لئے کوشش کرے۔ غرض کہ عقل انسان کی دینی اور دنیاوی معلومات کا ذریعہ ٹھہرایا گیا +

ہم عقل کے اسی قدر بیان پر کفایت نہیں کر سکتے کیونکہ چند امور ہیں جو بذاتہٖ عقل کے متعلق ہیں اور جن کی نسبت صحیح خیال رکھنا ضروری ہے۔ اُن میں سے **اوّل** طریق معلومات عقلیہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ عقل کے لئے پہلے علم ضرور ہے بغیر کسی شے کے علم آنے کے وہ کسی چیز

کی نسبت کچھہ نہیں کہہ سکتی نہ خیال کرسکتی ہے۔ اور یہہ علم روح کے ایمان اور اعمال کی بنا یا صورت وہ ہے۔ مگر معلوم کرنا چاہئے کہ عقل کا طریق تحصیل علم کیا ہے +

عقل بذات خود ایسی نہیں کہ بلا سیکھے کسی امر کو سرشتاً جانتی ہو ایسا کہ انسان پیدا ہوتے ہی ہر چیز یا صداقت کا خیال یا علم رکھتا ہو۔ لیکن عقل کی کل معلومات مکتسبی ہیں۔ حاصل کی ہوئی۔ سیکھی ہوئی ہیں۔ لدنی علم الہی کے حامی البتہ کہینگے کہ عقل انسان میں خدا کا الہام ہے۔ اور چونکہ سب انسان صاحب عقل ہیں اسلئے سب کو الہام ہوتا ہے۔ اور اس خیال کے مطابق الہام نہ انسان کی اور نہ خدا کی مرضی سے آتا ہے مگر ضرورتاً اور استحقاقاً عقل کا ہے۔ عقل خود بخود عالم ہے۔ اُسکی سرشت ہی میں ہے کہ بدون درمیانی کے عالم ہو۔ مگر دراصل یہہ باتیں بناوٹی فلاسفی عقل کو منسوب کرتی ہے۔ الّا عقل کا طریق معلومات ایسا نہیں ہے۔ جب تجربہ سے مختلف اشیاء یا صداقتوں کا بہت یا تھوڑا علم آیا تو عقل اُن معلوم شدہ میں سے بعض کو بلا درمیانی یا بلا دلیل کے مان لیتی ہے۔ اور بعض کی نسبت منطقی طور اختیار کرتی ہے۔ اور اُسکے مطابق فیصلہ دیتی ہے۔ یعنے عقل میں یہہ ملکہ ہے کہ بدیہی صداقتوں اور دیگر حقیقتوں کو جان اور مان لیوے۔ جو صداقتیں مقابلہ کرکے معلوم ہونیوالی ہیں اُنکا مقابلہ کرے اور جو اپنی ذات میں صریح صداقت کے سوا اور کچھہ نہیں ہیں اُنکو بلا چون وچرا اور حجت اور دلیل کے مان لیوے اور ایسے امور اُس کی ذاتی ایمان کے متعلق ہیں۔ مگر بہر حال ضرور ہے کہ ہر نوع کی صداقت خواہ بدیہی ہو خواہ دوسری اُسکے سامنے آوے یا کیجاوے پیشتر اُس سے کہ وہ اُن کی عالم ہو سکے۔ اُسکے لئے ضرور نہیں ہے کہ فلاسفروں کے خیال پیش کئے جاویں ہر انسان کو چاہئے کہ اپنے اپنے اصلی یا ابتدائی تیقن پر غور کرے

خیال کرے کہ فلاں فلاں امر کا یقین کسطرح آگیا۔ جسکا نتیجہ یہہ ہوگا کہ علم لدنی بلا احساس
کسی شی کے کچھہ نہیں ہی۔ اور اگر ہی تو یہہ کہ کسی معقول پیش شدہ اور اُسکے تعلقات کو معلوم
کرنا یا دریافت کرنا ہی۔ غرضکہ عقل بذاتہی عالم نہیں اِلّا طالب علم ہی خواہ کسی قسم کا علم یا ہنر ہو
ہم عقل کو علم حاصل کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ نہ مسائل الہیات اور نہ مسائل دنیاوی ایسے لدنی
طور سے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا لدنی علم الہی والوں کا گمان ہی۔ چنانچہ بدون نیچر کے خدا کا
یا یوں کہیں کہ ایک خارجی خداے خالق کا خیال نہیں کرسکتے۔ اسلئے خالق کا علم تحصیلی
ہی نہ کہ لدنی۔ اور اگر خالق اور مخلوق میں کچھہ نسبت نہ ہو تو کسی خالق کا خیال یا علم ہو ہی نہیں
سکتا۔ قدرت نے یوں ہی مقرر کیا ہی +

بعض باتیں ہیں جنکو بعضے علم لدنی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اولاً۔ اپنی ہستی۔
تطبیق نفسی۔ بیرونی ماہیت۔ نیچر کی یکسانی مرضی کی آزادگی۔ تمیز نیکی اور بدی سبب
اور اُسکے نتیجہ میں نسبت۔ وقت اور وسعت۔ اِنکی نسبت کہا جاتا ہی کہ یہہ انسان کو لدنی طور
سے معلوم ہیں۔ مگر یہہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہہ تو وہ بدیہی صداقتیں ہیں جنہیں عقل بدون دلیل
کے تسلیم کرلیتی ہی۔ یہہ ایسی بدیہی ہیں کہ اپنا یقین دلانے کے لئے دلیل کی گنجایش تک
نہیں رکھتی ہیں۔ اور نہ دلیل سے ثابت ہی ہو سکتی ہیں۔ لیکن عقل اُنکا علم پاتے ہی اُنپر ایمان
لاتی ہی۔ اِس ایمان سے پہلے علم ضرور ہی۔ یہہ صداقتیں اپنا علم عقل کو گویا جبراً بخشتی ہیں+۔ اور یہہ
نہیں کہ اِن باتوں کا علم انسان کو پہلے ہی سے ہوتا ہی۔ مگر اِن بدیہی صداقتوں کا علم یا خیال بھی
خارجی طور پر نہیں آتا۔ ثانیاً وہ باتیں جو اِنسان میں مثل حیوان مطلق کے ہیں جیسا اپنی پرورش

+ عقل کی اِس کیفیت سے اگنی ہوتری صاحب کا رسالہ مذہب اور عقل نامعقول ٹھہرتا ہی۔ چنانچہ مقابلہ کرکے دیکھہ لو۔

کی خواہش اور شہوت وغیرہ ہم مان لیتے ہیں کہ اِنسان میں مثل حیوانوں کے لدنّی ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہہ خواہشیں بدون تجربہ کے ظاہر ہوتی ہیں +

دوم اگر کہا جائے کہ دنیا میں ایسے بزرگ شاعر اور فیلسوف اور موجد الٰہیات ہوئے ہیں جنہوں نے صداقتوں کو فی الفور یا دفعتًا بدون لحاظ یا حاجت اُنکے تعلقات یا النسبت کے معلوم کیا۔ اور بعض اہل فہم ہیں جنہوں نے غیر معمولی سوچ دکھائی ہو گویا کہ درمیانی چیزوں سے بے پروا ہو کر صرف صداقت ہی کو جا پایا۔ آج کل بھی ایسے دعوے اِدھر اُدھر سُننے میں آتے ہیں جس سے نتیجہ یہہ نکالا جاتا ہو کہ اِن لوگوں میں ایسی فضیلت اُن صداقتوں کے لدنّی ہونے کے سبب سے ہو یعنے اُن صداقتوں کا علم تحصیلی نہیں لدنّی ہی۔ اور اِسلئے دخل الٰہی کی حاجت نہ تھی۔ اور نہ عقل تحریک ظاہری یا باطنی کی محتاج ہی مگر خوب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ یہہ صرف وہمی خیال ہو اور حقیقت کے برخلاف ہو +

اولاً۔ جب اِنسان کا وہم زور کرتا ہو تو پھر ہر خیال کو اِلقائی قرار دیتا ہو۔ کیونکہ اُسکے اسباب کو نہیں دیکھتا اور نہ اُن خرابیوں پر سوچتا ہو جو ایسے خیالوں سے عاید ہوتی ہیں آ اور نہ اِس بات کی فکر رکھتا ہو کہ آیا حقیقت میں کسی صداقت کو معلوم کیا ہو یا بطالت کو اور یا دونوں کی آمیزش کو۔ اور کہدیتے ہیں کہ فلاں بات میرے دل میں اِلقائی طور سے آئی ہو یا دل سے اُٹھی ہو۔ مگر اِلقائی طور سے کیونکر آئی جبکہ سوچتے سوچتے بوڑھے ہو گئے اور دل سے بلا سبب کیونکر اُٹھی۔ پھر بعض حالتوں میں فریب کھا کے یا دھوکا دینے کے شوق وغرض سے یوں بھی کہدیتے ہیں کہ فلاں امر کا خدا کی طرف سے اِلہام ہوا ہو۔ اور وہ بہ حیثیت اِلقا یا علم لدنّی اَوروں سے بیان کیا جاتا ہو۔ ایسی حالتوں میں یاد رکھنا چاہئے

کہ بعض موقع بعض امور یا صداقتیں عقل ایسے جلدی معلوم کر لیتی ہو اور نتیجہ بتلاتی ہو۔ کہ عقل کا عقلی عمل چھپا رہتا ہو۔ وہ درمیانی اسباب جنہوں نے اُس نتیجہ تک پہنچایا۔ اُس نتیجہ کی تحصیل کی خوشی یا غرور کے سبب بھول جاتے ہیں اور یوں لوگ اپنے عقل کے طریق معلومات کی نسبت دھوکا کھاتے یا غلطی کرتے ہیں۔ مگر کسی صداقت کو ایسی جلدی معلوم کرنا بھی اسباب یا تعلقات لازمی سے آزاد نہیں ہوتا۔

ثانیاً۔ جب صداقتوں کی معلومات کے اختلاف پر غور کرتے ہیں تو عقل کا الہام بے ٹھکانا معلوم ہوتا ہو۔ بعضے عالم اور فیلسوف ایک صداقت کی نسبت یوں کہتے ہیں اور بعضے وُوں اور اِس حال میں اُس صداقت کو صداقت کہنا دشوار ہو جاتا ہو کیونکہ وہ ایک امر مشتبہہ ٹھہرتی ہو نہ کہ صداقت۔ ایک کی معلومات کی صداقت یا بطالت کا اَوروں کو اعتبار نہیں آسکتا۔ سوائے اِسکے کہ عقل کی لدنّی معلومات منطق کے اِکتسابی قاعدے سے ثابت کئے جاویں۔ لازم تھا کہ اُنکے خیالوں کا یقین دوسروں کو بھی لدنّی طور پر ہوتا نہ کہ اِکتسابی قاعدوں کے رو سے۔ مگر دیکھا جاتا ہو کہ وہ جو لدنّی الہام کا دعویٰ کر کے اپنے خیالوں کو باہر لاتے ہیں اُنکے خیالوں کا اعتبار مقابلہ کی رو سے ضایع ہو جاتا ہو اور کبھی قایم ہو جاتا ہو اور گاہے اُسکے عوض کوئی نیا شگوفہ نکلتا ہو۔ اور پہلی باتوں پر ترجیح دیا جاتا ہو۔ قدیم سے یہی طور رہا ہو کہ ایک دوسرے کو غلط ٹھہراتا ہو۔ نہ صرف عقلی فلسفی میں بلکہ دینی میں بھی یہی حال رہا ہو۔ یہہ صرف بعض عالموں اور جاہلوں کی چالاکی ہو جو اپنے خیالات یا معلومات کو اَوروں پر موثر کرنے کی نیت سے کہہ دیتے ہیں کہ یہہ باتیں لدنّی الہام کا اثر ہی۔ اور اُس اختلاف کا خیال نہیں رکھتے۔ اگر عقل کا طریق معلومات اِکتسابی نہوتا تو اختلاف بھی نہوتا۔

ثالثاً۔ عقلی علم مغایر تاثیروں یا سببوں یا تعلقات کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور وہ فلاسفی جو عقل کو بے سبب علم یا القائی معلومات یا اُور لفظوں میں یوں کہیں کہ کسی صداقت یا صداقتوں کا دفعتاً آجانا منسوب کرتی ہی وہ واقعی حقیقتوں کے برخلاف کہتی ہی۔ مثلاً۔ جب قدرتی صداقتوں میں سے سر ایزک نیوٹن نے ایک سیب کے نیچے گرنے سے قانون کشش دریافت کیا اور مسٹر واٹ نے کیتلی میں بھاپ کے زور سے اُس کے سرپوش کو متحرک دیکھا اور معلوم کیا کہ بھاپ سے اَور اعلیٰ کام بھی ہوسکتے ہیں۔ اور جب ڈاکٹر فرانکلن نے زمین پر دو چیزوں کی رگڑ سے شرار نکلتے دیکھے اور دریافت کیا کہ برق ابری میں بھی یہی سبب ہی تو ظاہر ہی کہ یہہ معلومات اُنہیں القا نہ ہوئی۔ دفعتاً یا بے سبب نہ جانے گئے عقل دیگر مقدم اسباب سے بے پروا نہ رہی۔ تعلقات یا دلیل سے آزاد ہوکر کسی نتیجہ یا صداقت ہی کو جاپکڑنا خدائی طور ہی نہ کہ انسانی۔ اِن فلاسفروں کی عقل پر بیرونی اشیاء نے اثر کیا اور عقل نے یوں مؤثر ہوکر وہ صداقتیں دریافت کیں۔ اِس امر میں اُنکے سابق علم اور تجربہ اور خیالات کی ردّ و بدل اور اُس قسم کے خیالات یا امورات کی فکر نے ملکر عقل کو وہ باتیں دریافت کرنے کا موقع دیا۔ ورنہ عقل اُس حالت میں مجہول نہ تھی۔ اور نہ مجہول عقل صداقتوں کا مقابلہ کرسکتی ہی حالانکہ یہہ نتایج بذریعہ مقابلہ وغیرہ کے اُن کی عقل نے معلوم کئے۔ پھر الہیات میں بھی علم بے سامان یا بے سبب نہیں آجاتا۔ کوئی نتیجہ یا کوئی صداقت بدون تقدیمی سلسلہ خیالات یا اسباب کے نہیں آجاتا۔ کیونکہ پیشتر اُس سے کہ کوئی اِس قسم کا دعویٰ کرے اُسکا اپنا اور اَوروں کا تجربہ اور سوسایٹی کی صحبت کا اثر اُسکے دل میں کسیقدر ہوتا رہتا ہی۔ مثلاً دیکھو فلاسفر لاک جو حواس کو عقل کی معلومات کا ذریعہ قایم کرتا ہی اُس نے علم فلسفہ میں اپنے

سے پہلے یا دیگر ہمعصر لوگوں کے خیالوں کو تول کر اپنی عقل کے موافق اُنکا صحیح یا غلط ہونا معلوم
کیا اور وہ باتیں بھی بیان کیں جن کو بعضے لدنی اور بعضے القائی یا الہامی کہینگے۔ مگر
اُنکا طریق معلومات منطقی قاعدے پر مبنی تھا۔ یہی حال آور بڑے بڑے فلاسفروں کا ہے جو
وہ نتیجے جو اُنہوں نے دریافت کئے ضرور اپنے سبب رکھتے ہیں۔ مسایل الہیات میں جو صداقتیں
یا بطالتیں دنیا کے بڑے نامدار بزرگوں نے لوگوں کو سنائیں وہ اُنکے لدنی یا القائی
طور سے عالم نہ ہوئے تھے بلکہ مکتسبی طور پر سیکڑوں برس کے روایتی خیالات اور تعلیمات اور
تجربے دور اور نزدیک کے تحریری اور روایتی اُنکی انگشت نمائی کے لئے موجود تھے مثلاً جب
سُقراط نے اُس زمانے کے لوگوں کو جو الہام ربانی کی روشنی سے بے بہرہ تھے اور بیشتر
عقل کی ہدایت کے مطابق رفتار رکھتے تھے ایک اعلیٰ ناظم اور نیکی کی بابت تعلیم دی۔ اور
جب افلاطون نے سکھایا کہ انسان الٰہی عقل میں شریک ہیں اور نیچر کی صورتیں ازل سے خدا
کے ارادے میں تھیں۔ تو اُس حالت میں از حد عمیق بینی کام دیتی تھی۔ اور خدا کے دستور العمل
اور انسان کی روش کا ملاحظہ کرنا اور اخلاقی باتوں پر غور کرنا وہ سامان تھے جو اُسوقت خدا
نے قدرت میں انسان کو دے رکھے تھے۔ اُن لوگوں نے اِن باتوں پر غور کر کے اپنی فکر جاتی
اور یہہ نتیجے نکالے جسقدر اُنکے اسباب معلومات نے اُنہیں اُس زمانہ میں گنجایش دی اُسقدر
اُنہوں نے معلوم کیا۔ کیونکہ اُس حالت میں اُنسے اِسقدر نہیں ہو سکتا تھا جسقدر اُنکے مابعد کے
اہل فہم تا حال دریافت کرتے آئے ہیں۔ اگر وہ علم اُن میں لدنی یا القائی طور سے آیا ہوتا
تو لازم تھا کہ سامان مذکورہ کے بغیر اُسکا اظہار کرتے +

چنانچہ بُدھ اور کانفوشش اور محمد اور نانک اور زمانہ حال کے عارفونکی ایسی ہی

حالت ہے۔ اِن میں سے محمدؐ اور نانک اُن لوگوں کے درمیان ہوئے جو قدیم مذاہب کی روایتیں
اور خیالات اور تجربے اور دلائل سُن چکے تھے اور مانتے تھے اور انکی الٰہیات کا اثر متاخرین کے
دلوں پر کم یا زیادہ ہو چکا تھا۔ تو اُن کی تیز فہمی نے اسبات کو جلدی قبول کیا کہ ہم عصر بزرگان
کی الٰہیات میں اصلاح ہونی چاہئے۔ نانک سے ٭ پہلے محمدی پنجاب میں مشہور ہو گئے اور محمدؐ
سے پہلے اور اُسکے عہد میں بھی الہام بائیبل کی روشنی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے خیالات
اور روایتیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔ پس اُسنے اُن باتونکو سُنا اور معلوم کیا جو الہام ربانی
نے رائج کر رکھی تھیں اور دوسری طرف ملک عرب کی بُت پرستی کو دیکھکر دین ابراہیم کے
مبشر ہونے کا دعوی کیا۔ اب ظاہر ہے کہ اِس حالت میں محمدؐ کا علم لدنّی یا القائی نہ تھا۔ وہ
معرفت دفعتاً اُس کے دل میں نہ آگئی بلکہ مکتسبی تھی۔ کانفوشش نے الہام ربانی کا دعوی
بھی نہ کیا اور نہ اُن باتوں کو اپنی سوچ کا حاصل بتلایا جنکی وہ وعظ کرتا تھا اِن آبائی قوانین
کے موافق اپنے زمانہ کے لوگوں کو عمل کرنے کی ترغیب دیتا تھا اور اپنے تئیں اُن پہلی باتوں کا
راوی کہتا تھا۔ اور اُسکے زمانہ میں ملک چین کی ریاست کی ابتری بہ مقابلہ آبائی قوانین اور
حکومت کی عمدگی نے اُسکو اِس امر کی ترغیب دی۔ البتہ وہ اگلی باتوں میں اپنی عقل کے موافق
حسب موقع کمی بیشی کرتا تھا۔ پس اُن بیرونی اسباب نے اُس کے دل میں یہہ بات ڈالی اور
اُس کی عقل نے دو زمانوں کے انتظام اور اُسکے نتائج کا مقابلہ کیا اور اصلاح کی ضرورت معلوم
کی۔ انمیں سے کوئی بات بھی دفعتاً دل میں نہ آئی۔ پھر بدھ یا گوتم نے بھی بلا تحریک بیرونی
اپنے باپ کا گھر نہ چھوڑا تھا۔ وہ ایسے نظارے دیکھ چکا تھا جنہوں نے اُس کی طبیعت کو

٭ نانک صاحب کے گرنتھ کی مخلوط یا انتخابی طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے دل پر دیگر مذہب والوں کا بہت اثر ہوا تھا ۔

پریشان کیا۔ ہاں اُسکو کئی قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا پیشتر اِس سے کہ اُسنے اپنے خیالوں
یا طریق کو سُنانا شروع کیا۔ بُدھ ہنوز اپنے باپ کے گھر میں رہتا تھا کہ ایک مرتبہ اُسنے ضعیف بوڑھے
شخص کو لاٹھی کے سہارے پر چلتے دیکھا اور نوکر سے پوچھا کہ یہہ کون ہے۔ نوکر نے اُس کی اُس
حالت کا سبب بتلایا۔ دوسری دفعہ اُس نے ایک مریض کو دیکھا جو تپ کے مارے دُبلا
ہوگیا تھا اور کوئی رشتہ دار اور دوست اُس کے پاس حاضر نہ تھا۔ اِس شخص کی بابت
بھی نوکر نے شاہزادے کو سمجھایا کہ وہ کیوں دُبلا اور دُکھی ہے۔ تیسری بار اُسنے ایک
مُردے کی لاش دیکھی اور اُسکے رشتہ داروں کو روتے پایا اور نوکر سے پوچھا کہ یہہ کون ہے
نوکر نے بتلایا کہ ہر ایک انسان کی زندگی کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اِن وارداتوں کو دیکھکر شاہزادے
کے دل میں وہ خیال اُٹھے جو اُسکی باقی زندگی کی روش کے موجب ہوئے۔ چوتھی مرتبہ اُسنے
ایک زاہد فقیر کو دیکھا جو اپنے رنگ میں خوش معلوم ہوتا تھا۔ نوکر سے پوچھا کہ یہہ کون ہے اُسنے
جواب دیا آئے صاحب یہہ شخص اُن میں سے ہے جو فقیر یا درویش کہلاتے ہیں۔ اُسنے سب
خوشیوں اور حرص کو ترک کیا ہے اور سختی کی زندگی بسر کرتا ہے وہ اپنے تئیں مغلوب کرنے کا ساعی
ہے۔ بے غصہ بے کینہ وہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ شاہزادے نے جواب دیا کہ یہہ خوب اور
بھلا ہے۔ زاہد کی زندگی کی دانا ہمیشہ تعریف کرتے رہے ہیں۔ یہہ ہی میری اور اَور مخلوقوں کی
پناہ ہوگی۔ یہہ ہمیں حقیقی زندگی تک پہونچائیگی اور خوشی اور بقا تک۔ اِس کے بعد اُس کا
دل دنیا کی خوشیوں اور خانہ داری کے آرام کی طرف سے ہٹتا گیا۔ اور وہ زندگی سے بیزار
ہونے لگا۔ دن بہ دن یہہ خیال اُسکے دل میں زور پاتا گیا۔ اور اِس دنیا اور زندگی کی فکروں
سے رہا ہونے کے لئے آخرش کوہ وِندھیا کی ایک شمالی وادی میں جہاں برہمن تنہائی اختیار

کرتے تھے بدھ اُن میں سے ایک اَلارہ نامے کا شاگرد بنا اور اُسکے طریق سے ناخوش ہوکر
اُدرکا کا شاگرد ہوا۔ اور اُسنے جو کچھ ہند و فلسفہ سکھا سکتی تھی سیکھا۔ بدھ سے پہلے برہمن
علم موجودات اور الہیات کے عمیق اور مشوش سوالوں کی طرف توجہ کر چکے تھے۔ اور کئی
فریق مختلف مدرسوں میں منقسم ہوگئے تھے۔ جن میں بدھ والے اکثر اصولوں کی تعلیم بیشتر ہو چکی تھی
اور بدھا موجد نہ تھا۔ وہ بات جو اُسنے ظاہر کی یہہ تھی کہ توبہ اور فلسفہ اور ریت ورسم سے
اخلاقی تربیت زیادہ مفید ہے۔ اور یہہ بھی کیا کہ سابق اہل فکر کے خیالوں کو ترتیب دے۔ اور
اُس کی فلاسفی اسوجہہ سے مکتسبی تھی۔ یہہ بات یا اصول اُسنے توبہ اور فلسفہ اور ریت ورسم کا
خوب سا تجربہ کر کے سوچی تھی۔ جب گوتم اَلارہ اور اُدرکا کے طریق سے خوش نہوا تو اُسنے
برہمنوں کے اُس اصول کو آزمانا شروع کیا جو ریاضت بدنی کہلاتا ہے اور یُورُوِلا کے
جنگلوں میں تنہائی اختیار کی اور معہ اپنے پانچ شاگردوں کے اپنے تئیں چھہ برس تک فاقوں
وغیرہ سے دُکھہ دیتا رہا۔ اور ایسا طور زندگی کا اُس کی شہرت کا باعث ہوگیا۔ اِس حال میں
بھی جیوں جیوں اپنے تئیں جانچتا اور سوچتا تھا اُسکو دلی عذاب بدنی دُکھہ سے بھی زیادہ معلوم
ہوتا تھا۔ تب اُسنے اِس تدبیر کو بھی ترک کیا۔ اور اُسکے ساتھی بھی اُسے چھوڑ گئے۔ پھر سفر کرتے
ہوئے وہ ایک بو درخت کے نیچے بیٹھا۔ اُس درخت کے نیچے وہ سوچا کیا کہ کیا کروں۔ اپنی
گذشتہ کارروائیوں پر سوچتا تھا کہ اُسنے کچھہ حاصل نہ ہوا اور آخر یہہ سوچا کہ نجات بلا کسی
ریت ورسم کے محض اپنے تئیں ضبط کرنے سے او محبت سے ہو سکتی ہے۔ دیکھو اُسنے کن کن
باتوں کا تجربہ کیا اور آخر زاہد والی بات ہی پر سوچ کو ختم کیا کیونکہ اُس کی عقل اور باتوں سے
تسلی نہ پاتی تھی۔ اب ہم جانتے ہیں کہ عقل کے یہی کام اور طور ہیں اسی طرح تجربہ اُٹھاتی۔

گرتی پڑتی ہی اُسکو القا نہیں کہہ سکتے۔ دفعتاً علم آجانا یا کوئی معرفت دل میں سماجانی غلط بات ہی۔ نیچری عقل پر ایسا وارد نہیں ہوتا۔ یہہ سب باتیں اُن لوگوں نے اُسی طرح دریافت کیں جسطرح اور لوگ اور باتیں کرتے ہیں اور اُسمیں یہہ ضروری بات ہی کہ جس کسی کی طبیعت ایک شی کی طرف مائل ہو وہ اُس میں اور صرف اُسی میں نئی معلومات کا اظہار کرسکتا ہی۔ اور یہہ ہی سبب ہی کہ سب ہی الٰہیات میں سبقت نہیں لیجاتے اور نہ سب علم موجودات میں۔ خالق نے اِسی لئیے یہہ سارا سامان انسان کے باہر اور بھیتر طیار کیا کہ عقل اُن پر اور اُنکے موافق خیال کرے اور صداقتوں کو خواہ کسی قسم کی ہوں دریافت کرے۔ جو مقابلہ کرکے معلوم ہونے والی ہیں اُنکا مقابلہ کرے اور جو بدیہی ہیں اُنکو بلا دلیل مان لیوے۔ اور یہہ نہیں کہ بدیہی یا دوسری صداقتیں کسی کو خودبخود ہی معلوم ہوتی ہیں یا کہ اُنکا علم پہلے ہی سے ہوتا ہی۔ نہیں ہر ایک صداقت بدون موقع اور کسی سبب کے عقل کو حاصل نہیں ہوتی۔ عقل کا طریق معلومات یہہ ہی ہی۔ تجربہ اِس امر پر صاف صاف گواہی دیتا ہی +

بااینہمہ یہہ بھی یاد رہے کہ عقل کی خیال بندی میں جسمانی اعضا یا حواس کا متحرک ہونا ضرور ہی پیشتر اُس سے کہ کسی چیز کا خیال ہوسکے۔ خواہ بدیہی صداقتیں ہوں خواہ اکتسابی ہر ایک کا علم اور خیال یا یقین اُسی حالت میں ہوسکتا ہی جب اُن میں سے کوئی اپنے علم کا موقع دیوے اور جب موقع ہوا تو انسان کے حواس اُن چیزوں یا صفتوں کے خیال یا علم کا ابتدائی یا بنیادی ذریعہ ٹھہرتے ہیں اور اُسکے بعد ہی یا ساتھہ ہی عقل اُن اشیاء کی نسبت خیال بندی شروع کرتی ہی۔ چنانچہ اِس وسعتِ بے حد کا خیال خارجی طور سے نہیں آتا یعنے اُس میں بلا احساس کسی جسمی وجود کے نہیں آسکتا۔ پھر غیر متناہی کا خیال بدون متناہی کے

نہ ہوتا۔ نتیجے کے سبب کا خیال اس حالت کے بغیر نہیں آسکتا جبتک ایک شی کی دوسری کے ساتھ لازمی اور تقدیمی نسبت معلوم نہ ہو۔ اگر اُنکی ایسی نسبت تجربہ میں نہ آتی تو کسی نتیجہ کا کوئی سبب ہونا عقل کو نامعلوم رہتا اور سبب کا خیال نہ کرسکتی۔ علی ہذا القیاس خالق اور واجب الوجود کا خیال نہیں کرسکتی اگر مخلوق اور وجود موجودہ اُسکے تجربہ میں نہ آتے۔ بدون انسان کے اخلاقی فعل کے اخلاقی نیکی کا خیال نہیں ہوسکتا۔ نیکی بذات خود ایک خارجی صفت ہی یعنے تعلقات اُس سے خارج ہیں۔ مگر عقل بدون موصوف کے فقط صفت کا خیال نہیں رکھتی ہی اور نہ کرسکتی۔ کسی فعل کا پیش ہونا ضرور ہی۔ اور تب فوراً اخلاقی قوت یا ضمیر اُسے نیک یا بد کہتی ہی۔ کیونکہ نیک یا بد اُس فعل کی صفتیں ہیں نہ اخلاقی قوت کی اور ضمیر تو صرف تمیز ہی۔ الحاصل کسی شی یا صفت یا صداقت کا خیال کرنیکے لئے عقل تجربہ اور موقع کی محتاج ہی اور ایسا نہیں کہ بلالحاظ اُن لوازمات کے اُن صداقتوں کا خیال انسان میں لدنی یا القائی طور سے ہو۔ ہمارے کچھے فلاسفر ناحق عقل کو اُسکے قدرتی منصب سے اُتارتے یا اوپر اُچھالتے ہیں کوئی اُسے پامال کرتا اور کوئی خدا بناتا ہی +

اب امید ہی کہ عقل کی نسبت اِن باتوں سے آگاہ ہوکر ہمارے ہم وطن اپنی عقلونکو دوسروں کی عقل کے جال کا شکار ہونے نہ دینگے۔ کیونکہ بعض لوگ عقل کی اُس طریق معلومات سے جو اوپر ثابت کیا گیا ناواقف رہکر دھوکے کھاتے اور دھوکے دیتے ہیں۔ چنانچہ جب عقل صداقتوں کو خصوصاً دینی اور اخلاقی صداقتوں کو معلوم کرتی ہی ایسا کہ اُن میں سے بعضی بہت جلدی دل میں آجاتی ہیں گویا کہ اُنکے اسباب علم چھپے رہتے ہیں اور معلوم نہیں ہوتے تو بعضے اہل عقل گمان کرتے ہیں کہ ہم میں خدا بولا ہی جو ایسا عرفان ہمیں آگیا اور اُنہیں یہہ تمیز نہیں رہتی

کہ عقل کسطرح اور کیا کچھہ دریافت کر سکتی ہی۔ اور یہہ نوبت اکثر حالت مخالفت میں پہنچا کرتی ہی۔
جب انسان اختلافات دیرینہ اور موجودہ کا مقابلہ کرتا اور اُن کی مخالفت یا موافقت کا اندازہ
باندھتا ہی۔ اور اس منطقی طریق سے کسی صداقت کے معلوم کرنے کی فکر کرتا ہی۔ تو کوئی نتیجہ
سوچتا ہی خواہ وہ صداقت ہو یا کوئی بطالت۔ اور یا دونوں کی آمیزش کی تائید کرتا یا اُنمیں
سے کسی ایک کو حق قرار دیتا اور دوسروں کو غلط کہتا ہی تو اپنی غور و فکر کی حالت کو ایک
ناگہانی معرفت سمجھہ لیتا ہی اور اور لفظوں میں اُسے اِلہام کہتا ہی۔ اور جب یہہ خیال بڑھتا اور اور
باتوں کے ساتھہ اُلجھتا ہی تو اُسکو اِلہام ربّانی تصور کرنے لگتا ہی۔ جیسا بُدھا اور محمدؐ نے کیا
مگر بُدھا نے اپنے زود فہمی کے خیالوں کو ربّانی الہام نہ کہا مگر اپنے دل کا الہام۔ ایسے ہی
لوگ اکثر فریبی ہوتے ہیں۔ ایسوں سے ہشیار رہنا چاہئے۔ روح انسانی میں عقل کے سواء
ایک اور قوّت موضوع کی گئی جسکا خاص کام ہی۔ یعنے جو اخلاق کے متعلق ہی۔ آئیندہ فصل
میں اُسکا ذکر آتا ہی ٭

فصل دوم

کانشنس یا ضمیر کے بیان میں

نیچری اِنسان کی ہدایت کے لئے خالق نے عقل کے ساتھہ ایک اور قوّت کو ہمراہ کر دیا
اور اخلاق سے اُسکا تعلق ٹھہرایا۔ اِسکی نسبت سوال ہی کہ کانشنس کیا ہی؟ اِسکے جواب پر سارے
علما متفق نہیں ہیں اگر کانشنس کو روح کی ایک اخلاقی قوّت سمجھیں جسطرح اور قوّتیں مثل
حافظہ اور ادراک ہیں۔ اور یا کہیں کہ روح کی حالت ہی اخلاقی ہی اور اِسلئے خلاقی کام

دکھاتی ہی۔ اور یا عقل ہی کو یہہ صفت منسوب کریں اور کہیں کہ کانشنس نام کی کوئی قوت روح میں علیحدہ نہیں ہی۔ تو بہر حال ظاہر ہی کہ انسان میں کچھہ تو ہی جو اخلاق سے تعلق رکھتا ہی۔ الّا ہماری طرف سے اسکا یہہ جواب ہی کہ ہمارے نظام عقلیہ میں سے یہہ ایک قوت یا حس ہی اور اُسکی خاص خصوصیت اِس بات میں ہی کہ وہ اخلاقی قوت ہی۔ جس سے انسان نیکی اور بدی کا خیال یا تمیز کر سکتے ہیں۔ یعنے جان سکتے ہیں کہ نیکی نیکی ہی اور بدی بدی ہی۔ پھر اِسکے ساتھہ ہی نیکی کے واجبی اور بدی کے مردود ہونے کا خیال عائد ہوتا ہی۔ اور جب کوئی خاص فعل پیش ہوتا ہی تو یہہ اُسکو نیک یا بد قرار دیتا ہی *

روح انسانی میں اخلاقی قوت کا ہونا شک کی گنجایش ہی نہیں رکھتا۔ اور اگر خود عقل ہی وہ قوت ہو تاہم یہہ احوال بے جنبش رہتا ہی۔ اور اِس حال میں ہم دیگر قوتوں کی نسبت بھی یہہ کہہ سکتے ہیں کہ روح میں جُدا جُدا قوتیں نہیں ہیں مگر ایک ہی روح کے یہہ جداگانہ کام ہیں وہی یہہ سب کچھہ کرتی ہی۔ پس اگر روح میں متفرق معلومات کے لئے جداگانہ قوتیں ہیں تو اخلاق کے لئے اخلاقی قوت اِسی بنا پر ثابت ہوتی ہی۔ اور ایسا نہیں جیسا مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر وغیرہ خیال کرتے ہیں۔ کہ بچپن سے ایک طرح پر تربیت پاتے پاتے اور ایک قسم کی باتیں سُنتے سُنتے اور ایک ہی طور کے طریقے کو برتتے برتتے۔ یا دفعتاً کسی پر اعتقاد آجانے سے اور اُسی کی باتوں اور فعلوں کے اچھا ہونے پر یقین بٹھلا لینے سے۔ یا سوسایٹی کے نامعلوم مگر قوی اثروں کے دباؤ سے ایک ایسا یقین یا ایسی کیفیت اُس کے دل میں پیدا ہوتی ہی کہ اُسی بات کو حقیقت اور سچ جانتا ہی اور اُسکے برخلاف کو برخلاف۔ اور ایسی کیفیت کا نام کانشنس ہی

جو تمدن اور اخلاق سے زیادہ تر تعلق رکھتی ہو (تہذیب الاخلاق ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۲۹۹ھ)
مگر کون اسبات کو مان سکتا ہو اور کیا یہہ ممکن ہو کہ جس امر کی تفہیم کا فہم روح انسانی میں
نہیں ہو وہ کسی طریق یا تدبیر سے پیدا ہو سکے - اگر قوت اخلاق انسان میں نداردہی تو خلاق
یعنے واجب اور غیر واجب - چاہیئے اور نہ چاہیئے کس بلا کا نام ہو گا - ؟ کسی اخلاقی فعل کے
اخلاقی ہونے کا کون فیصلہ کریگا اور کس کے لئے کریگا - نیکی اور بدی بمعنے لفظ ہونگے کیونکہ
اُنکا قدردان کوئی نہیں - جو باتیں سید صاحب نے کانشنس کی موجد بتلائی ہیں وہ
البتہ کانشنس کو ایک نہ ایک طرف مائل کر دیتی ہیں - جس قسم کی تربیت یا رسم یا عادت
میں انسان مشغول رہتا ہو اُسی قسم کی ترقی یا تنزل - بہتری یا ابتری سے مقید ہوتا ہو -
اور یہہ بھی اُس حال میں اگر وہ ایک ہی قسم کی باتیں اور طریقے اور سوسایٹی کے دباؤ
صرف اخلاق سے تعلق رکھتے ہوں ورنہ یہی امور انسان کی اکثر قوتوں پر اثر کرتے ہیں اور
اگر سید صاحب کی بات مان لیجا دے تو اسحال میں صرف کانشنس ہی نہیں بلکہ اور
قوتیں بھی اسی طرح پیدا ہوتی ہیں اور انسان کی روح میں موضوع نہیں ہیں لیکن حاصل
کی ہوئی ہیں یا یوں کہیں کہ وہ روح کی قوتیں نہیں ہیں مگر اُسے یوں یا دوں کرنے کی
عادت پڑ جاتی ہو - اور اس حال میں حیوان انسان سے اعلی ٹھہرے جن میں اپنی حیوانی
عقل سرشتگا پائی جاتی ہو اور انسان کو کمانی پڑتی ہو - ہمیں تو ہمیشہ اسبات کی حمایت
منظور ہو کہ خدا نے انسان کو اس زمین پر باسامان کر کے رکھا اور بدون اندرونی و ظاہری
سامان کے انسان کی وہ فضیلت اور شرافت نہ ہوتی جسپر وہ ہمیشہ فخر کرتا ہو - لیکن کیا بچپن
میں کوئی قوت انسان میں نہیں ہوتی جو بلوغت میں تربیت وغیرہ سے پیدا ہونے کی حاجت

رکھتی ہے اگر کوئی قوت ہی نہیں تو تربیت اور عادت کا اثر کس کو ہوتا ہے۔ قوتیں بے شک ہوتی ہیں مگر نا تجربہ کاری کی حالت میں ہوتی ہیں۔ کانشنس بھی ایسا ہی ہے۔ اگر یہہ قوت تحصیل اخلاق سے پیشتر انسان میں نہ ہو تو اخلاقی تربیت کا اثر بے اثر رہیگا +

معلوم ہوئے کہ جس طرح عقل اپنی معلومات میں بلا موقع عالم نہیں ہوتی اُسیطرح کانشنس بھی روح کی ایک قوت ہوکر اخلاقی معلومات میں اخلاقی افعال کے بغیر اخلاق کا بذاتہٖ عالم نہیں ہوتا۔ لیکن کسی فعل کے پیش ہونے پر اُسکے حُسن و قبح کا فیصلہ کرتا ہے۔ یعنے ظاہر کرتا ہے کہ فلاں بات چاہیئے اور فلاں نہ چاہیئے پر ہر امر اخلاقی کو اپنے میں سرشتہ نہیں لئے بیٹھا ہے۔ پس یہہ دو قوتیں یعنے عقل اور کانشنس خالق نے انسان میں قدرتی سامان موجود کیا تاکہ اُن کے ذریعہ سے انسان حق کو پہچانے اور جو کچھ اُنہوں نے سوچکر اور دریافت کرکے ظاہر کیا ہے اور ظاہر کریں وہ باتیں انسان کے ایمان میں شامل ہو جاتی ہیں یعنے اُنکو انسان مان لیتا ہے اور اُسکے موافق عمل کرتا ہے۔ اور اُسکا ذکر ذیل میں آتا ہے +

فصل سوم

یقین یا ایمان کے بیان میں

ایمان کیا ہے؟ عقل اور ضمیر کے تحصیلی امور کو مان لینا یہ روح ذاتی کا ایمان ہے۔ یہہ ضروری امر ہے کہ عقل کا اپنے فیصلوں کے ساتھہ اتفاق ہو وے پس عقل کا اپنی باتوں کو مان لینا یہہ عقل کا ایمان ہے۔ ایمان ایسی چیز ہے کہ بچپن سے تا مرگ اُسکے بغیر گذارا نہیں ہو سکتا۔ کسی قدرتی صداقت یا کسی شخص کی بات کو مان لینا خردسالی ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

اُس عمر میں ایمان کی بنا اکثر تحقیقات اور تجربہ پر نہیں ہوتی تو خالق کی مرضی ایسی ہی کہ اسحالت میں ایمان سے کام چلایا جاوے۔ اور جب ایام بلوغت نزدیک آتے جاتے ہیں تو پھر ایمان اپنی جمعیت کے لئے تجربہ وغیرہ کا محتاج ہو جاتا ہی۔ اور یہہ نوبت پہنچتی ہی کہ ہر ایک بات جو عقل سوچتی اور ضمیر روا رکھتا ہی وہ ایمان ہی کے وسیلے وقت ضرورت پر عقل کے سامنے حاضر ہو جاتی ہی۔ جب عقل کسی امر کی نسبت اپنی سوچ اور تحقیقات کو ختم کرے تو اُسکے حاصلات ایمان کے قبضہ میں رہتے ہیں۔ قوّت حافظہ کی تعریف اور لفظوں میں ایمان ہی۔ ایمان عقل کا قدرتی ساتھی ہی۔ بغیر اُسکے عقل کی سوچ اور متفرق معلومات سب رائگاں اور معدوم رہیں۔ ایمان اُن چیزوں کی گرفت کر سکتا ہی جو عقل کی سمجھہ میں نہ آسکیں اور اس سے اعلیٰ ہوں۔ اِن باتوں کے سبب ایمان عقل کا سب سے نزدیکی مددگار ہی۔ اور یوں دونوں ایک دوسرے کے محتاج اور معاون ہیں +

روح کا ایمان اُنہیں باتوں پر ہوتا ہی جو اُسکے اس افضل آلہ یعنے عقل نے اپنی حدّ ہمت تک معلوم کی ہوں۔ ایمان کے لئے پہلے علم ضرور ہی خواہ کسی صورت سے اور کسیقدر آوے۔ اور جب تک کسی شَی یا حقیقت یا خیال کا علم نہ ہو اُسپر ایمان کیونکر ہو سکتا ہی۔ اور اِسطور سے وہ علم اور صداقتیں اور خیال جو انسان کے باہر اور غیر ہیں ایمان کے وسیلے اُسکے اپنے ہو جاتے ہیں +

جب ایک شخص دوسرے کی نسبت معلومات میں کم یا ناقص ہی۔ اور یا بعض کو کسی امر کی تحقیق اور انفصال کرنے کا نہ صرف زیادہ ملکہ بلکہ عمدہ موقع بھی ہی۔ تو اِس حال میں اُنکے عقلی تجسس و غور کے نتائج پر اُنکا ایمان صحیح ایمان ہوگا اور جو ایسی حالتوں

میں نہیں اُنکا ایمان اُسکے مقابل میں کمزور ہوگا۔ لیکن پھر بھی وہ موخرالذکر کا ذاتی ایمان ہوگا خواہ عمدہ ہو خواہ ناقص۔ ہر دو کا ایمان اُن کی اپنی اپنی عقل پر مبنی ہے۔ مگر ایسی باتوں کا خیال کرکے کہ انسان کی عقل کی مختلف استعداد اور مختلف موقع اور حالتیں میں یہہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی معلومات کی حد اور وسعت اور اندازہ کے لئے ایک قاعدہ کُلّیہ قائم کیا جاوے۔ اور یہہ بھی ثابت نہیں کہ عقل کہانتک پہونچ سکتی ہے اور کہانتک نہیں۔ تاہم جسقدر ایسی حالت میں قائم ہوسکتا ہے یہہ ہے کہ اوّل وہ باتیں جو عقل کو بدیہی معلوم ہوں۔ اور اُن بدیہی باتوں کی تشخیص عقل کے تذکرہ میں پہلے ہو چکی ہے کہ کیا ہیں اور کس قسم کی ہیں۔ اگرچہ وہ باتیں ایسی ہیں کہ اُنکی نسبت عقل سب کچھہ نہ دریافت کرسکتی اور نہ سمجھہ سکتی ہے تاہم روح عقل کے اِس کہے کو مان لیتی ہے۔ دوسرے وہ باتیں جو تواریخی یا تخصیلی ہیں یعنے جو کچھہ اس گھڑی تک گذر چکا خواہ عقلی ہو خواہ سماوی خواہ ارضی اور عقل کے دایرہ علم یا سوچ میں آیا ہو وہ سب روح کے ایمان میں داخل ہے اور اس میں وہ سب باتیں شامل ہیں جو عقل ایجاد کرے یا دریافت کرے ٭

عقل کی معلومات اور ایمان کے ثبوت ایک ہی ہیں کیونکہ ایمان اُنہیں باتوں پر ہوتا ہے جو عقل کے موافق ہوتی ہیں۔ اور اگرچہ پہلے پہل ایمان اور عقل ایک دوسرے کے برخلاف معلوم ہوں مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اِسلئے کہ کوئی بات دراصل عقل کے برخلاف نہیں ہوتی لیکن ایک شَی یا حقیقت یا خیال دوسرے کے برخلاف ہوتا ہے تو عقل اُسی ضدّ کو ماننے میں تامل کرتی ہے۔ اور دونوں میں سے اُسپر جو ثابت ہو یا قوی ثبوت رکھتی ہو یا قابل ثبوت ہو فیصلہ دیتی اور ایمان عقل کی اِس کارروائی کو تسلیم کرتا ہے۔ راقم رسالہ مذہب اور عقل

سکے لئے یہہ جائے غور ہی - امید ہی کہ ہمارے اِس بیان سے بھی اِسکو مذہب اور عقل کے
بارے میں ہدایت ہوگی ؀

دوسرا باب

تلخیص دعوی مذہب عقلی اور مذہب الہامی کے بیان میں

فصل اوّل

دعویٰ مذہب عقلی کے بیان میں

بیان گذشتہ سے ظاہر ہے کہ انسان کو بہت عمدہ قدرتی سامان معلومات بخشا گیا اور اس حیثیت میں ہوکر وہ اپنے لئے قوی اور معقول دعویٰ کرسکتا ہے۔ یعنے +

اوّل۔ خالق نے فقط شرع باطنی انسان کو بخشی اور اُس کی شناخت عقل اور کانشنس کے متعلق ٹھہرائی اور انسان کو نیچر میں رکھا جو اُس شرع کے لئے تختہ مشق ہے۔ اور انسان کے لئے تجربہ حاصل کرنے کا موقع اور مکان ہے۔ اور اسکے ساتھہ ملکۂ ایمان کا ہونا لازمی ٹھہرایا گیا تاکہ جو کچھہ وہ دونوں کہیں روح تسلیم کرے اور اُس کے مطابق انسان کی روش قایم ہو۔ پس ایسی حالت میں ہوکر عقل مستحق ہے کہ کوشش کرے اور اپنی سوچ وفکر

اور غور کے نتیجے ظاہر کرے۔ یہہ عقل کا قدرتی حق ہے۔ ہر قوم اور ہر زمانہ میں عقل کے یہی طور وطرز رہے ہیں۔ پس جب اُس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ کیا یہہ بات سچ نہیں کہ وہ صداقتیں جو کہ نہایت نازک اور اعلیٰ درجہ کی ہیں اور جن کی معلومات میں بہت کچھہ تجسّس محنت اور فکر اور غور درکار ہے محض انسان کی عام قوتوں کے وسیلے سے دریافت ہوئی ہیں۔† تو یہہ کچھہ حسد کا مقام نہیں ہے۔ اِسبات سے عقل ظاہر کرتی ہے کہ میں کس منصب اور کس مقدور کی ہوں اور اسطور سے اپنے خالق کی جسنے اُسے سرفراز کیا بڑائی کرتی ہے +

دوم۔ عقل کہہ سکتی ہے کہ مجھہ کو خالق نے ایسا ذاتی ملکہ اور سیر دلی سامان بخشا تو میری معلومات اور میرے فرمان کی تحقیر اور عدولی خالق کی تحقیر اور حکم عدولی ہے۔ جو کچھہ میں دریافت کروں وہی صحیح اور خالق کی مرضی کے موافق ہے یا وہی اُسکی مرضی ہے۔ مجھے خدا نے ہر امر کا مُقنن ٹھہرایا ہے۔ اِسلئے خدا کبھی میرے کاموں میں دخل نہیں دیتا اور نہ اُسکا ایسا کرنا کچھہ ضروری ہے۔ ایسا بہت کچھہ تحریری عقل کہہ سکتی ہے۔ اور اسکے ثبوت میں اپنی عمدہ عمدہ معلومات پیش کر سکتی ہے۔ لہذا مذہب طبعی ہی مذہب مطلق ہے۔ البتہ پُرانہ مذہب طبعی نئے کی نسبت قاصر ہے کیونکہ نیا اِس عمدہ حالت پر ترقی کر آیا ہے۔ اور یوں عقل نے اپنی بھول چوک کو خود ہی درست کر لیا ہے اور کرتی جاتی ہے اور کرتی جائیگی +

سوم۔ تھیوڈور پارکر صاحب جو مذہب عقلی کے ثنا خوانوں میں سے ایک معلوم ہوتے ہیں یوں تحریر کرتے ہیں کہ عیسویت کی اعلیٰ تعلیمات عیسیٰ سے بہت مدت پیشتر معلوم تھیں کیونکہ خدا نے انسان کو چار ہزار برس تک اپنے سادہ ترین فرایض دریافت کرنے میں ناقابل نہیں

---

† رسالہ یادرہند لاہور نمبر ۱۱ بابت ماہ نومبر ۱۸۶۹ع

اور غور کے نتیجے ظاہر کرے۔ یہہ عقل کا قدرتی حق ہی۔ ہر قوم اور ہر زمانہ مین عقل کے یہی طور وطرز رہے ہیں۔ پس جب اُس کی نسبت کہا جاتا ہی کہ کیا یہہ بات سچ نہیں کہ وہ صداقتیں جوکہ نہایت نازک اور اعلیٰ درجہ کی ہیں اور جن کی معلومات میں بہت کچھہ تجسّس محنت اور فکر اور غور درکار ہی محض انسان کی عام قوتوں کے وسیلے سے دریافت ہوئی ہیں۔† تو یہہ کچھہ حسد کا مقام نہیں ہی۔ اِسبات سے عقل ظاہر کرتی ہی کہ میں کس منصب اور کس مقدور کی ہوں اور اسطور سے اپنے خالق کی جسنے اُسے سرفراز کیا بڑائی کرتی ہی +

دوم۔ عقل کہہ سکتی ہی کہ مجھہ کو خالق نے ایسا ذاتی ملکہ اور سیردلی سامان بخشا تو میری معلومات اور میرے فرمان کی تحقیر اور عدولی خالق کی تحقیر اور حکم عدولی ہی۔ جو کچھہ میں دریافت کروں وہی صحیح اور خالق کی مرضی کے موافق ہی یا وہی اُسکی مرضی ہی۔ مجھے خدا نے ہر امر وہی کا مُقنّن ٹھہرایا ہی۔ اِسلئے خدا کبھی میرے کاموں میں دخل نہیں دیتا اور نہ اُسکا ایسا کرنا کچھہ ضروری ہی۔ ایسا بہت کچھہ تحریری عقل کہہ سکتی ہی۔ اور اسکے ثبوت میں اپنی عمدہ عمدہ معلومات پیش کر سکتی ہی۔ لہذا مذہب طبعی ہی مذہب مطلق ہی۔ البتہ پُرانہ مذہب طبعی نئے کی نسبت قاصر ہی کیونکہ نیا اِس عمدہ حالت پر ترقی کر آیا ہی۔ اور یوں عقل نے اپنی بھول چوک کو خود ہی درست کرلیا ہی اور کرتی جاتی ہی اور کرتی جائیگی +

سوم۔ تھیوڈور پارکر صاحب جو مذہب عقلی کے ثناخوانوں میں سے ایک معلوم ہوتے ہیں یوں تحریر کرتے ہیں کہ عیسویت کی اعلیٰ تعلیمات عیسیٰ سے بہت مدت پیشتر معلوم تھیں کیونکہ خدا نے انسان کو چار ہزار برس تک اپنے سادہ ترین فرایض دریافت کرنے میں ناقابل نہیں

† رسالہ برادر ہند لاہور نمبر ۱۱ بابت ماہ نومبر ۱۸۷۹ء

فصل دوم

دعوی مذہب الہامی کے بیان میں

اول - نیچری عقل مجرد کے زور کا کبھی تجربہ نہیں ہوا۔ + جب عقل خالق کے ہاتھ سے نکلی تو بے علم نہ چھوڑی گئی تھی۔ اور اگرچہ دنیاوی علوم و فنون کا حاصل کرنا اُس کی غور محنت پر چھوڑا گیا ہو مگر الٰہیات میں وہ عالم کیا گیا اخلاقی صداقتیں اُسے بتلائی گئیں۔ اور اُس تعلیم کا اثر پشت در پشت چلا آیا۔ البتہ جوں جوں عقل بے عقل ہوتی گئی تیوں تیوں وہ اصلی اور حقیقی معرفت معدوم اور مخلوط ہوگئی۔ اور چونکہ یہہ کل سلسلہ ایک ہی چشمہ سے شروع ہوا لہذا یہہ افراط تفریط بھی ایک قوم نہیں ہر ایک قوم میں واقع ہوئی اُن اخلاقی صداقتوں میں سے اوّل وہ ہیں جو خدا سے محبت رکھنے پر مبنی ہیں۔ اور ظاہر کرتی ہیں کہ خالق کا خلایق سے کیا رشتہ ہے۔ دوم وہ ہیں جو حُب جنسی پر مبنی ہیں اور انسانوں کے باہمی رشتہ پر دلالت کرتی ہیں یہہ دو قسمیں نظام اخلاقیہ کے ہر جزو کو شامل کرتی ہیں ٭

اب یہہ صداقتیں ایسی نہیں کہ جنہیں عام قوّتوں نے صرف اپنی فکر و غور سے اور محنت سے دریافت کیا ہو۔ اُن کا عام قوّتوں سے دریافت کیا جانا اُس حالت میں کہہ سکتے ہیں جب کوئی ایسا زمانہ بتلایا جاوے جس میں اخلاقی صداقتیں ہستی میں نہ تھیں یا انسان علی العموم اُن سے یوں بے خبر تھے جس طرح پُرانی دنیا نئی دنیا سے تھی۔ پھر کیا کہیں ؟ یہہ کہ جب انسان بنا تو اُس میں وہ قوّت بخشی گئی کہ اِس قسم کی صداقتیں جب کسی صورت سے معلوم ہو جاویں تو فوراً قبول

+ دیکھو چوتھا باب ٭

کرے۔ اور نیز اول اُسکو یہہ علم بھی دیا گیا۔ اور وہ اخلاقی طبیعت انسان میں پشت در پشت چلی آئی ہے۔ البتہ وہ اخلاقی طبیعت انسان کی اصلی اور نسلی خرابی اور آلودگی کے سبب سے بدی کی طرف مائل ہوتی گئی یعنی کہ اُن اخلاقی صداقتوں کی تعمیل تو بجائے خود رہی اُنکا علم بھی ناقص ہوگیا چنانچہ ہر زمانہ کے غیر اقوام کی دینی تواریخ اِس امر کی شاہد ہے۔ لہذا اگر محض ہماری عام قوتوں نے اخلاقی صداقتوں کے علم کو مستند طور سے بحال کیا اور کوئی علاج ناقابلیت کا نکالا ہو تو بس بحث ختم ہے۔ مگر یہہ تو کبھی نہیں ہوا۔ اب تک نہیں ہوا۔ غرضکہ اس امر میں روایت قدیمہ کا اثر اور مدد عقل کے ہمراہ رہے ہیں۔ اور اسلئے عقل کی معلومات میں جو عمدگی سُنی یا دیکھی جاتی ہے وہ فقط عقل کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ اور اِس زمانہ میں جو عمدہ نتیجے عقل کو منسوب کئے جاتے ہیں وہ عقل کے نہیں ہیں الہام کی طفیل سے ہیں نہ کہ عقل کی اپنی کوشش کے ٭

دیکھو تھیوڈور پارکر صاحب بھی جنکی کتاب کا مطالعہ ہندوستان کے ریمو کرنے لگ گئے ہیں ایک ناکامل مذہب کو عقل کے ہمراہ کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اِس دنیا کے ایام پیشین میں زرتشت۔ کانفیوشس۔ فثاغورس۔ سقراط اور اَور کروڑ ہا مقدس لوگ اُسکی روشنی میں چلتے تھے۔ جب اُن کی روحیں عاجز ہوتیں اور نہ جانتے تھے کہ کدھر جاویں تو اُسکے وسیلے سے اُن کی خاطر جمعی ہوتی تھی۔ پس اگرچہ عقل نے بہت کچھ کیا ہے تاہم اِس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اگر بے مدد چھوڑی جاتی تو اسقدر دریافت کرتی۔ مگر اِس روایتی ذریعہ سے اہل عقل نے خدا کی ہستی اور انتظام الٰہی اور آیندہ ہستی اور اخلاق کے خیال حاصل کئے۔ اور نیز قربانیوں کا گذارنا اِس میں شک نہیں کہ اِس روایتی

الہام کا بقیہ دُھندلا ہوتا گیا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ عقل کے لئے بڑی مدد تھی خصوصاً اُس حالت میں جب عقل عاجز آجاتی اور نہ جانتی کہ کیا کہوں اور کیا مانوں سامو ایل شکفورڈ صاحب اپنی کتاب تاریخ دینی اور دنیاوی کی جلد اول کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ قدما نے بہتیری باتوں پر اشارہ کیا ہو۔ جو موسیٰ نے تحریر کیں تو بھی ہم معلوم نہیں کرتے کہ اُنہوں نے کبھی کسی سچی اور قوی بحث کا عمل کیا ہو یا صاف اور پختہ علم کے عالم تھے اِن امور کی بابت قدما کا تمام علم اول محدود گھیرے میں تھا۔ وہ چند صداقتوں کے قابض تھے جو اُنہوں نے اپنے باپ دادوں سے پائی تھیں۔ اور اپنی اولاد کو سونپی صرف یہہ کہکر کہ فلاں فلاں باتیں یوں ہی ہیں مگر اُن کی سچائی کی وجوہات یا ثبوت اُنہیں نہ بتلاتے تھے فلاسفی جب تک یونان میں نہ آئی بحث امیز نہ تھی۔ قدیم معلم اُسکی نسبت مباحثے نہ کرتے تھے۔ جو کچھہ اُنہیں سونپا جاتا اُسے قبول کرتے تھے۔ اور اپنے روایتی خزانہ سے اوروں کو دیتے تھے۔ اور وہ اصول جنکے موافق وے سکھاتے اور سیکھتے تھے ایسے نہ تھے کہ اشیا کی ماہیت کی تلاش کریں یا جو کچھہ وے فلسفانہ تفتیش سے معلوم کر سکیں اُسپر فکر کریں۔ لیکن۔ پوچھو اور تمہیں بتلایا جائیگا۔ دفاتر سلف میں ڈھونڈو اور جسکی تلاش میں ہو اُسے پاؤگے اُنکی تعلیم کے قاعدے اور حکم تھے۔ پس عقل اور اُسکی معلومات کا یہہ حال تھا۔ اکیلی نہ تھی۔ روایت اسکے ساتھہ تھی۔ اور اُسکو قایم رکھنے اور اُس سے صحیح ہدایت پانے کے بجائے عقل نے اُسکو بھی خراب کر دیا اور بہت نامناسب ملونی دکھائی +

دوم۔ اگرچہ انسان میں ایسا ظاہری اور باطنی سامان موضوع کیا گیا جسکی

حیثیت پر عقل دعویٰ امثل مذکورہ دعووں کے کرسکتی ہے تاہم الہام بھی اپنے دعووں اور دخل کی معقول گنجایش رکھتا ہے۔ اور اِس حالت میں وہ انسان کے اُس سامان کا مبطل یا ناسخ نہیں مگر مددگار اور ہادی ثانی اور آسمانی ہے وہ اُنہیں قوتوں سے مخاطب ہوتا اور یوں کہتا ہے۔ کہ ✣

اگرچہ خدا نے اگلے زمانہ میں سب قوموں کو چھوڑ دیا کہ اپنی اپنی راہ پر چلیں (اعمال ۱۴-۱۶) تاہم خدا کی بابت جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے اُنپر ظاہر ہے۔ کیونکہ خدا نے اُسکو اُنپر ظاہر کیا۔ اِسلئے کہ اُس کی صفتیں جو دیکھنے میں نہیں آتیں یعنے اُس کی ازلی قدرت اور خدائی دنیا کی پیدایش سے اُسکے کاموں پر غور کرنے میں ایسی صاف معلوم ہوتی ہیں کہ اُنکو کچھ عذر نہیں (رومیوں ۱-۲۰) اور غیر قومیں جنہیں شریعت نہ ملی اگر طبیعت سے شریعت کے کام کرتے ہیں سو وے شریعت نہ پا کے اپنے لئے آپ ہی شریعت ہیں۔ وے شریعت کا خلاصہ اپنے دلوں میں لکھا ہوا دکھاتے ہیں۔ اُنکی تمیز بھی گواہی دیتی اور اُنکے خیال آپس میں الزام دیتے یا عذر کرتے ہیں (۲-۱۴ و ۱۵) ✣

لیکن اگرچہ اُنہوں نے خدا کو پہچانا تو بھی خدائی کے لایق اُس کی بزرگی اور شکرگذاری نہ کی۔ بلکہ باطل خیالوں میں پڑ گئے۔ اور اُنکے نافہم دل تاریک ہو گئے۔ وے آپ کو دانا ٹھہرا کے نادان ہو گئے اور غیر فانی خدا کے جلال کو فانی آدمی اور چڑیوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی مورت سے بدل ڈالا ..... اُنہوں نے خدا کی سچائی کو جھوٹ سے بدل ڈالا اور بنانیوالے کو جو ہمیشہ ستایش کے لایق ہے آمین۔ چھوڑ کے بنائی ہوئی چیزوں کی پرستش اور بندگی کی .... اور جب اُنہوں نے پسند نہ کیا کہ خدا

کو پہچان کے یاد رکھیں۔ خدا نے بھی اُنکو عقل کی بےتمیزی میں چھوڑ دیا کہ نالایق کام کریں (رومیوں پہلا باب) پس حکمت الٰہی سے یوں ہوا کہ جب دنیا نے حکمت سے خدا کو نہ پہچانا تو خدا کی مرضی یہہ ہوئی کہ (الہام کی) منادی کی بیوقوفی سے ایمان والوں کو بچاوے۔ (اقرنتیوں ا۔ ۲۰ و ۲۱)

اس سے ظاہر ہی کہ انسان نے اپنے قدرتی سامان کو خراب کر دیا اور الہام کا دخل ضروری ٹھہرا۔ اسلئے اگرچہ عقل اور کانشنس قدرتی ہادی ہوئے تاہم کانشنس ایسا ہادی نہ رہا جس کی ہدایت سہو امیز نہ ہو اور عقل یا انصاف ایسا منصف نہیں جس کے فیصلے ہمیشہ صحیح و سالم ہوں جس طرح انسان کی دیگر قوا مدرکہ غلطی کرتی اور کرنے جوگ ہیں ہمارا کانشنس اور انصاف بھی ویسا ہی ہی۔ اور اس حال میں کوئی امر محض اسبات پر نیکت یا بد تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ کانشنس کا فرمودہ ہی۔ یہہ عذر پیش کرنا کہ کیا خدا نے ہمارے باطن میں قاصر ہادی مقرر کیا اُس حالت میں زیب دیگا جب اور قوتیں قصور سے بری ہوں۔ وہ بھی تو اپنے دایرہ میں خدا نے ہدایت ہی کے لئے بخشی تھیں۔ پس کانشنس اور عقل کے ہادی مکتفی نہ رہنے سے خدا معیوب نہیں ٹھہرتا۔ اول ہی اول جب اُسنے انسان کو خلق کیا تو قوا سے پاکیزہ اور عادات حمیدہ اور کانشنس حق رسیدہ اُسے عطا کئے۔ مگر حضرت گناہ نے سب کی صورت بگاڑی۔ اور مدت دراز تک خدا نے انسان کو اُنہیں ہادیوں کی ہدایت پر چھوڑا مگر اس کا حاصل یہہ ہوا کہ اخلاقی صداقتوں کا علم جاتا رہا اور عمل کا تو کیا ذکر عقل کو وہ باتیں اچھی معلوم ہونے لگیں جو بالکل غیر واجب تھیں۔ اور طرفہ یہہ ہی کہ تمام غلطیاں عقلی کیا اعمالی کانشنس اور دیگر تمام قوتوں کی ہدایت سے ہوتی رہی ہیں؟ مگر حقیقت میں بُرائی کو بھلائی

اور بھلائی کو بُرائی سے بدلتے رہے ہاں اپنی دانست میں اچھا کرتے رہے ہیں اور اب
بھی کرتے ہیں اور یہہ سب کچھہ حضرت کانشنس اور عقل کی ہدایت اور زیر نگرانی ہوتا رہا ہے۔
جب یہہ نوبت پہونچی تو خداوند کریم نے عقل اور کانشنس کے مددگار اور ہادی مشکل کشا کو
بھیجنے کی تجویز کی۔ تاکہ انسان کی اِس پژمردہ اور برگشتہ حالت کو پاکیزگی اور خداشناسی پر
بحال کرے۔ بایں ہمہ یہہ بھی جاننا چاہیئے کہ کانشنس کا حکم تب ہی درست ہوسکتا ہے جب وہ
نیکی اور بدی میں درستی کے ساتھہ تمیز کرے اور اِس حال میں اُسکا کسی خاص فعل کو بھلا یا بُرا
قرار دینا ماننے کے لایق ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اِس تمیز کرنے میں غلطی کرے تو اُسکا باقی فیصلہ
کہ فلاں امر کو ماننا چاہیئے اور فلاں کو ترک کرنا چاہیئے قابل اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ
اِس طرح تو وہ بھلائی کو بُرائی اور بُرائی کو بھلائی ٹھہرا سکتا ہے۔ اور تعلیم اور صحبت سوسایٹی
اِنسان کی عقل اور ضمیر پر ہمیشہ اثر کرتے رہتے ہیں۔ جس قسم کی تعلیم اور صحبت ہوتی ہے اِسکے
مطابق خیال اور کام ظہور میں آتے ہیں۔ لہذا یہہ بحث فضول ہے کہ کانشنس ہے یا نہیں ہے۔
اور کہ وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور کہ نیکی کی ترغیب دیتا اور بدی کو ترک
کرواتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ ضمیر کے اِس منصب کے ہم خود قائل بلکہ حامی ہیں۔ مگر بحث طلب امر یہہ ہے
کہ ضمیر نیکی اور بدی کی امتیاز میں غلطی کرتا اور کر سکتا ہے یا نہیں۔ ہم اِسبات پر اتفاق نہیں
کرتے کہ وہ ہمیشہ درستی کے ساتھہ حکم دیتا ہے۔ کیونکہ انسان کی سرشت اور خصوصًا اِس کی
موجودہ حالت امکان غلطی و خطا سے بری نہیں ہے۔ یہہ خوبی صرف خدا میں ہے اور پھر جب
کانشنس کی خطاکاریوں کے نہ صرف قلمی دفتر بلکہ زندہ بھی موجود ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ برہمو
اور نیچریوں کا گمان غلط اور حقیقتوں کے برخلاف ہے۔ اس حال میں ہم کس طرح یقین

کرسکتے ہیں کہ کانشنس درست حکم دیتا ہی۔ اگنی ہوتری صاحب نے اپنے رسالہ مذہب اور عقل صفحہ ۱۶ پر یہہ تحریر کیا ہی کہ ہرایک کا یقین ہی کہ جو کام نیک ہی وہی کرنے کے لایق ہی اور بد کام کا کرنا واجب نہیں۔ اِس میں شک نہیں ہم بھی مانتے ہیں کہ اِس یقین میں اہل عقل اور وحشی سب شامل ہیں۔ نیکی کو پسند کرنا اور بدی کو ناپسند کرنا انسان میں قدرتی ہی۔ لیکن کانشنس کی کارروائی جسپر عام اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوا اُسکو اگنی ہوتری صاحب صرف چھوڑ کے چھوڑ گئے۔ اور صرف یہہ کہدیا کہ فلاں مخصوص کام نیک ہی یا بد اس کی تشخیص اگرچہ وہ اب تک ٹھیک نہ کرسکے ہوں۔ صاحب من کانشنس کی بحث میں مفید اور عملی بات یہی ہی جسکو آپ نے پھینک دیا کیونکہ آپ کے مطلب کو مفید نہیں ہی۔ معلوم ہو کہ کسی خاص فعل یا فعلوں کو درستی کے ساتھ نیک یا بد کا حکم دینے میں ہر زمانہ اور ہر پشت کا اختلاف رہا ہی۔ کیونکہ تعلیم یا صحت وغیرہ کے اثر سے جو بات ایک شخص یا ایک گروہ کو بھلی معلوم ہوئی وہی دوسرے آدمیوں کے ضمیر کے نزدیک نا درست معلوم ہوئی۔ اور اِسلئے لوگوں کی زندگی کی کارروائیوں میں اختلاف رہا ہی۔ پس قدرتی ہادی کی یہہ فی الواقعی حالت ہی۔ مناسب نہیں کہ الہام کی مخالفت کی غرض سے عقل اور کانشنس کا گول مول بیان کریں اور خود دھوکھا کھاویں اور اوروں کو بھی دھوکا دیویں۔ کیونکہ الہام اسلئے آیا کہ کانشنس کے اختلاف اور غلطی کو درست کرے پھر با وجود عقل کی نالایق کارروائی کے اگر ہم اُس کی فطرتی حیثیت پر غور کریں تو اُسکا ہادی مطلق ہونا اُسکی فطرت کے خلاف ٹھہرتا ہی ؎

اوّلاً - عام تجربہ کی بات ہی کہ عقل کی تعمیل کے لئے پہلے ہی سے قانون بنے دھرے ہوتے ہیں اور اُسے اُنکی اطاعت کرنی ضروری اور فرض ہوتی ہی۔ وہ قانون خواہ

اخلاقی ہوں خواہ جسمانی - اِس سے عقل کا مطیع ہونا ثابت ہوتا ہی نہ کہ ہادی - جب عقل ایک
بات جسمانی یا اخلاقی صداقتوں میں سے سیکھہ لیتی ہی تو جیسا سکھتی ہی اُسکے مطابق عمل
دکھاتی ہی - اور اسکو نیچری صاحب اُلٹ عقل کی رہنمائی کہتے ہیں حالانکہ اسکا نام پیروی ہی +

ثانیاً - دیکھا جاتا ہی کہ کوئی ایک عقل سب عقلوں کی رہنما نہیں ہی مگر ایک دوسری
کی رہنمائی کی محتاج - اور دوسری تیسری کی محتاج نظر آتی ہی - تو اِس سے یہہ بات ضایع
ہوتی ہی کہ عقل کے سواے کوئی اور رہنما نہیں عقل کی احتیاجی کا یہہ تسلسل دوسرے رہنما
کو گنجایش دیتا ہی +

ثالثاً - جب بچوں کو علوم وفنون واخلاق میں تعلیم پاتے دیکھتے اور سنتے ہیں اور
بموجب اِسکے اُنکے اعمال ہونے لگتے ہیں تو یہہ کیا ہی - اَور لفظوں میں اسکو کیا کہینگے یہہ
ہی کہ یہہ تعلیم وتربیت عقل پاتی ہی - اور پھر ویسے ہی عمل ظاہر کرتی ہی - ہر ایک عقل کا یہی
حال ہی - اول طالب علم اور متلاشی ہی اور پھر خادم ہی - سو سید صاحب معلوم کریں کہ صرف
لفظوں کا پھیر ہی ورنہ عقل جو ہی سو ہی ہی - یعنے اسکی طریق معلومات کی روسے کہہ سکتے ہیں
کہ بدرجہ اولی عقل طالب علم ہی اور بدرجہ ثانی خادم ہی - اگر اسکے اس طریق کو اُلٹا کہ عقل
پہلے ہادی ہی پھر پیرو تو خفتیار ہی - ہم بھی کہینگے کہ ایسی عقل زیادہ رہنمائی کی محتاج ہی - اگر
مُراد یہہ ہو کہ عقل کی مُعلّمی اور متعلمی ایک ہی بات ہی تو ہم بھی اتفاق کرتے ہیں +

رابعاً - عقل کا تجربہ عموماً اسبات پر گواہی دیتا ہی کہ عقل کی سوچ کی گہرائی
اور بلندی محدود ہیں - نہ تو وہ سب کچھہ خود ہی معلوم کر سکتی ہی اور نہ سب کچھہ خود ہی سمجھہ سکتی ہی
عقل اِس نیچر سے مُقید ہی اور اِس سے غیر کی یا اُس سے باہر کی خود ہی عالم نہیں ہو سکتی -

پس جس حال کہ ایسے امور ہیں کہ عقل اُنکی خود ہی یعنے بغیر مدد کے عالم نہیں ہو سکتی تو اُنکی نسبت کیا رہنمائی کر سکتی ہی۔ ضرور ہی کہ کوئی دوسرا اُس کی ہدایت کرے۔ اور یہہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کون سے امور ہیں جن میں عقل دوسرے ہادی کی محتاج ہی +

اب چونکہ انسان نے یہہ علم ضایع کر دیا۔ اِسمیں بہت سی غلط ملونی کی اور ازاں موجب اُنکے عمل میں بھی قاصر ہی۔ جیسا پیشتر بیان ہوا۔ لہذا ایک آسمانی ہادی۔ ہادی ثانی یعنے الہام کی ضرورت مُصرّح ہی۔ تاکہ اوّل وہ امور بیان کرے جن سے انسان کی اخلاقی علم کی کمی خاطر خواہ رفع ہو جائے۔ اور وہی علم بحال ہو جسمیں خالق نے انسان کو پیدا کیا تھا۔ یعنے نہ صرف باری تعالیٰ کی صفات کا کامل بیان دوبارہ بتلا دے۔ بلکہ یہہ کہ انسان کا اسکے ساتھہ کیا رشتہ ہی۔ انسان کا خدا کی طرف کیا فرض ہی اور انسان کا ایکدوسرے کیطرف کیا فرض ہی۔ ثانیاً۔ ایسے امور بتلا دے جو مثل کسی قوت کے انسان کی اخلاقی طبیعت کی آلودگی اور میلان بد پر اثر کریں تاکہ وہ ناپاک طبیعت اور فاسد ارادہ اخلاقی عمل کی قوت پاوے۔ اور اصلی حالت کی طرف آوے۔ ظاہراً عقل گناہ کی شدت اور حدت سے بے پروا ہو گئی ہی۔ بھولی ہوئی ہی تو یہہ امر الہام ہی بتلاتا ہی کہ انسان کی حالت موجودہ اُسکی اصلی حالت نہیں ہی۔ اصلی حالت پاکیزگی تھی۔ البتہ عقل اُسکے بیان پر صاد کر سکتی ہی اور کرتی ہی۔ ثالثاً۔ تاکہ انسان کو اُس علاجِ جُرم سے واقف کرے جو نیچر میں عقل نہیں پاتی۔ البتہ اُسکا دُھندلا سا بقیہ عقل کے پاس رہگیا ہی جو خدا نے اُس کی نشانیاں کرکے انسان کو بتلائی تھیں تاہم عقل اُس حقیقی قربانی سے بغیر الہام کے بے خبر ہی۔ رابعاً آیندہ ہستی کی نسبت جو عقل کے آگے بند ہی یقین دلاوے۔ اور شک و شبہے رفع کرے۔ اب جائے غور ہی

کہ بغیر ان باتوں کے علم اور عمل کے کیونکر نیچیری انسان کی عقل اور کانشنس اور ایمان مترقی ہو سکتے ہیں۔ حق تو یوں ہی ہے کہ انکے ہونے سے عقل کو اخلاقی صداقتوں کا صحیح علم ہوگا۔ کانشنس بھی روشن ہوگا اور ایمان انسان کو خدا کی فردوس میں پرواز کروائیگا۔ ہاں اندیکھی اور امید کی ہوئی چیزوں کا ثبوت ٹھہریگا۔ نادیدنی چیزیں روح کو یوں دکھائیگا جس طرح دیدنی چیزیں۔ ایمان کی یہہ صحیح بنا انسان کی روش کو درست کریگی۔ پس الہامی ہادی کی رہنمائی اور مدد سے انسان کاملیت کی طرف ترقی اور پیش قدمی کرتا ہے اور کریگا۔ مگر اپنی قدرتی طریق کی رو سے تو وہ زیادہ دور اور پراگندہ ہوتی جاتی تھی۔ یقیناً الہام بالوجہ مذکورہ بالا عقل اور کانشنس کو روشن کرتا ہے اور انکی غلطی اور کمزوری اور جہالت کو دور کرتا ہے۔ اور یوں ایمان بھی عمدہ اور پختہ بنا پر قایم ہوتا ہے۔ اب اگر حقیقتاً عقل کی وہ حالت ہے جو بیان ہوئی اور الہام کے یہہ کام ہیں تو پھر کس بنا پر عقل اُس مددگار سے مُنہہ پھیرے *

چہارم۔ عقل کا یہہ فخر اور عذر کچھہ نہیں کہ اَور طرح سے اخلاقی صداقتوں کا علم عقل پر وارد کرنا عقل کو جو خدا کی اعلیٰ حکمت ہے حقیر ٹھہراتا ہے۔ اور ازاں موجب اُسکے خالق پر حرف دھرتا ہے۔ بے شک عقل یاد کرے کہ اُسنے خود اپنے خالق کی تحقیر کی اور اُس کی مرضی کو بھلا کر اپنی آزاد مرضی کے قابو میں ہو گئی۔ اگر عقل صحیح و سالم رہتی۔ ویسی رہتی جیسی اپنے خالق کے ہاتھہ سے نکلی تو الہام کی ضرورت نہ ہوتی مگر اب تو اُسکو درست کرنا اور مدد بھیجنی خدا کی رحمت اور حکمت کا ظہور ہے۔ اُس سے روکش ہونا واجب نہیں۔ اِس سرکشی میں اب خیر نہوگی اہل عقل یعنے محض عقل کے پیرؤں کو لازم ہے کہ عقل کی دو حالتوں کو نگاہ رکھیں اور ہمیشہ عقل۔ عقل پکارنے میں وہ یہہ تمیز نہیں کرتے۔ ایک حالت عقل کی وہ تھی جب خالق کے

ہاتھہ سے نکلی۔ اور ایک حالتِ موجودہ ہی۔ اور جو دعوے عقل کی نسبت کئے جاویں وہ حالت موخر کا لحاظ کرکے کئے جایا کریں۔ ہاں اگر عقل کی نسبت یہہ تمیز ہتیں نظر رکھی جاوے اور ایسا ہی کرنا ضرور ہی تو عقل کی طاقت سے بڑھکر دعوے نہ کئے جائینگے۔ کیونکہ موجودہ حالت عقل کی بگڑی ہوئی حالت ہی۔ وہ اپنی پہلی پاکیزہ حالت سے خود ہی حالتِ موجودہ میں تنزل کر آئی ہی +

پنجم۔عقل کے پیروؤں کا یہہ دعویٰ کہ جس طرح عقلی اور دنیاوی باتیں عقل پر چھوڑی گئی ہیں اُسی طرح اخلاقی اور روحانی امور بھی اُسی کی سوچ پر موقوف ہیں اس ترمیم کے لایق ہی کہ بیشک عقل ہی پر چھوڑے گئے تھے۔ مگر اس امر میں ایک ضروری امتیاز ہی اس سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ اور وہ یہہ ہی کہ انسان کا اِس نیچر سے عقلی اور جسمانی علاقہ ہی اور اِس رشتہ میں ہوکر جو کچھہ اُسکے لئے جاننا اور ماننا ضروری ہی وہ اُسکو اسکے حواسِ ظاہری کے ذریعہ حاصل ہوتا ہی۔ مگر وہ جسکو یا جنکو حواس نہیں معلوم کرا سکتے اُن کی نسبت عقل کی سوچ نہ صرف مختلف بلکہ بھٹکتی ہوا کرتی ہی۔ یعنے انسان میں اخلاق اور روحانیت جو ہی اُنکا رشتہ در اصل نادیدنی اور آیندہ چیزوں کے ساتھہ ہی اور جسمانی چیزوں سے جُدا ہی۔ اور وہ باتیں ہماری روحانی زندگی پر اثر کرنیوالی ہیں اور اُنکے مطابق ہماری روش قائم ہونا ضروری ہی۔ وہ باتیں ایمان سے حاصل ہوتی ہیں۔ یعنے اُنکو عقل صرف اپنے ایمان کی آنکھہ سے دیکھہ سکتی ہی۔ جس طرح دنیاوی صداقتوں کو اپنے حواس کی آنکھوں سے معلوم کرتی اور مانتی ہی۔ یاد رہے کہ جب عقل اس رشتہ کو کھو دیوے تو پھر اُسکو کون بتلا وے۔ جب تک وہ رشتہ بحال نہ کیا وے تب تک وہ اس سلسلہ میں واجبی کارروائی نہیں

کرسکتی ہے۔ اَور لفظوں میں یوں کہیں کہ پھوڑے اور پھُنسیوں وغیرہ کا علاج تو نیچر میں ہی عقل اُسکو معلوم کرسکتی ہی مگر گناہ کا علاج کہاں ہے۔ سوائے توبہ کے عقل اَور کوئی علاج نہیں بتلاسکتی۔ اسبات کا پھر کسی اور جگہہ ذکر کیا جائیگا +

تیسرا باب

اسبات کے بیان میں کہ کامل مذہب کی ایک ناکامل صورت عقل کے ہمراہ رہی ہے

واضح ہو کہ گذشتہ باب میں ہم اِسبات کی طرف اشارہ کرچکے ہیں کہ عقل مجرّد کا الٰہیات میں تجربہ نہیں ہوا مگر ایک اور ذریعہ معلومات کا اسکے ساتھ رہا ہے اور اِسلئے یہہ کہنا کہ مجرّد عقل دیکھو کیا کچھہ کرسکتی ہے عقل کی صرف ایک طرف کا بیان ہے۔ پس اُس سے پیشتر کہ اصل مطلب کی طرف رجوع کیا جاوے اس بات کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیا الٰہیات میں جو جو سوچیں عقل نے دوڑائی ہیں اور جو جو نتیجے تحریر کئے ہیں وہ عقل مجرّد کی ذاتی غور و فکر کا حاصل ہے یا عقل مدد پاتی رہی ہے۔ ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ روایت اور الہام سے کم و بیش مدد ملتی رہی ہے اور یہی سبب ہے کہ بعض عقلی طریقوں میں عمدہ تعلیم اخلاق نظر آتی ہے مگر وہ بھی سراسر خالص نہیں مگر مخلوط۔ جیسا امید ہے کہ ناظرین پر واضح ہو جائیگا ۔

ا۔ واضح ہو کہ جب خسرو شاہ فارس نے کری سس شاہ لِڈیا کو مغلوب کیا تو یونانیوں اور مشرقی قوموں میں پہلے کی نسبت زیادہ ترآمدورفت اور مقابلہ پڑگیا۔ اور اُسوقت سے پہلے

صرف دو ہی مُصنّف گذرے ہیں - یعنے ہومر اور ہی سی اڈ - جنہوں نے ارِفی اَس کی الٰہیات کو اختیار کیا - اور چونکہ اُسنے بعض باتیں مصریوں سے حاصل کیں اور انہوں نے اسرائیلیوں سے - اسلیئے اُن دو شاعروں کی تصنیفات میں مشرقی علم کی علامتیں پائی جاتی ہیں - خسرو کے بعد یونانی پہلے کی نسبت مشرقی امور کی بابت زیادہ واقف ہوگئے اور اُنکے بڑے بڑے فلاسفروں اور مصنفوں میں سے بعض نے سریا اور بعض نے مصر میں سیر کیا - چنانچہ :-

فثاغورث کی بابت بیان ہی - کہ وہ یونانی مدرسوں کا علم حاصل کرکے مشرق میں گیا جہاں اُسنے اِلٰہوں کی بابت اور روح کی بقا کی بابت قدیم روایت سے تمام بیان جو وہ جمع کرسکا کیا - اور پھر اپنے وطن کو واپس آیا - † پھر یوسیفس یہودی مورخ اس امر کی تصدیق کرتا ہی کہ وہ جنہوں نے اول فلاسفی کو اور آسمانی اور ربانی چیزوں کے امتیاز کو اُنمیں آغاز کرایا جیسے فری سائیڈ یر سُریانی اور فثاغورث اور ہتا لیز یہہ سب متفق ہیں کہ جو کچھہ وے جانتے تھے سو اُنھوں نے مصریوں اور کسدیوں سے سیکھا - مگر لکھا بہت کم اور یہہ وہ باتیں ہیں جو یونانیوں میں سب سے قدیم سمجھی جاتی ہیں - ‡ پھر وہی مورخ لکھتا ہی کہ فثاغورث سے ماس کا بہت قدیم زمانہ میں گذرا ہی اور دانائی اور دینداری میں سب فیلسوفوں سے اعلی سمجھا جاتا تھا اِس سے ظاہر ہی کہ وہ نہ صرف ہماری تعلیمات جانتا بلکہ بیشتر اُنکا پیرو اور عاشق تھا - درحقیقت کوئی تصنیف نہیں ہی جو اُس کی کہی یا مانی جاتی ہی - لیکن بہت ہیں جنہوں نے اُس کی تواریخ لکھی ہی - جن میں سے ہرمپّس سب سے مشہور ہی - وہ لکھتا ہی کہ اُسے (فثاغورث نے) یہہ

---

† کلاسیکل ڈکشنری - مولفہ ڈاکٹر ٹامس براؤن - ‡ کانٹرا ایپی ان - کتاب پہلی - دفعہ ۲ +

یہودیوں اور ہیرےسئی انس کی تعلیموں کے مطابق کیا۔جنکو اُسنے اپنی فلاسفی میں داخل کر دیا ‡
پھر ارسطو کی بابت اُسی مقام میں لکھا ہے کہ وہ یہودیوں اور یہودی معاملات سے واقف تھا۔ ‡
اناکسہ گوراس اور پلیٹو (افلاطون) نے مصر میں جاکر تعلیم پائی۔ اور اپنی اپنی
فلاسفی کے لئے سامان جمع کیا۔ اور مصر میں فیثاغورث کی فلاسفی رائج تھی + نومے نی اِس
ایک فیثاغوری اَن فلاسفر سنہ ع کی دوسری صدی میں ہوا وہ کہتا ہے کہ افلاطون نے خدا
کی ہستی اور دنیا کی پیدایش کی تعلیم موسیٰ کی تصنیفات سے پائی اور اس فیلسوف نے نہ صرف
خود ہی موسیٰ کی کتاب سے حوالے دیئے ہیں بلکہ یہانتک کہتا ہے کہ افلاطون یونانی بولتا
موسیٰ تھا۔ ‡ پھر یوسی فس مورخ یونانی فلاسفروں کی بابت دوسری جگہہ لکھتا ہے کہ ہم ثابت
کر چکے ہیں کہ قدیم یونانی فلاسفر اگرچہ ظاہر میں وے اپنے اپنے ملک کے قوانین مانتے
تھے تاہم اپنے کاموں اور فلسفانہ تعلیموں میں وہ ہمارے مقنن کی پیروی کرتے تھے
اور اعتدال سے رہنے اور ایکدوسرے کے ساتھہ دوستانہ برتاؤ کی بابت سکھلاتے تھے
نہیں اِس سے بڑھکر ملت انسانی مدت سے ہمارے دینی قوانین کے لئے بڑی رغبت رکھتے
ہیں ‡ غرضکہ اُن فلاسفروں کی عقل مجرد نہ تھی ؛

پھر فلاسفر جسٹن شہید جو دوسری صدی عیسوی میں ہوا اور سچی فلاسفی کی تلاش کرتے
کرتے بائیبل کو پڑھا اور مسیحی ہوگیا۔ غیر قوم فلاسفروں کی بابت اپنی کتاب مسمّیٰ
Cohortatio ad Graecos لکھتا ہے کہ خود غیر قوم مصنف یہودی شریعت کی بڑی قدامت

---

‡ کانٹرا ایپی اَن کتاب پہلی دفعہ ۲۲ ‡ ایضاً ایضاً + کلاسی کل ڈکشنری مولفہ ڈاکٹر ٹامس براؤن
+ سٹیک ہوس۔ ہسٹری آف دی بائبل ‡ کانٹرا ایپی اَن کتاب دوسری دفعہ ۴۰ +

کے قائل ہیں۔ یعنے پوسے من۔ اپی آن۔ پٹالومی مین ڈی سی اس۔ ہبلانی کس وغیرہ اور فائیلو اور یوسیفس اور ڈابو ڈورس سکولس اس امر کی تصدیق کرتے ہیں مصری بادشاہ پٹالومی فلاڈلفس نے قدیم عبرانی کتابوں کا یونانی میں ستر آدمیوں سے ترجمہ کروایا جو جدا جدا کوٹھریوں میں بند کئے گئے تھے وغیرہ۔ اپنے سب سے عمدہ خیالات یونانیوں نے عبرانیوں سے حاصل کئے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ آرفی آس۔ ہومر۔ سولن۔ فثاغورث اور افلاطون نے اپنا سب سے عمدہ علم مصر میں حاصل کیا۔ اور اسلئے آرفی آس۔ سبیلس۔ ہومر اور سافوکلیز وغیرہ وحدت الہٰی اور موت کے بعد عدالت وغیرہ کی بابت لکھنے کے قائل ہوئے۔ پس جبکہ یونانی فلاسفر خود اپنی ناواقفی کے اقراری ہیں اور سبیلس آنیوالے مسیح کا پتا دیتی ہیں تو لوگوں کو چاہئے کہ کتب انبیاء کی طرف رجوع کریں جو کل صداقت کا چشمہ ہیں۔ (ڈاکٹر موشائیم صاحب کی تواریخ کلیسیا۔ ترجمہ اور فٹ نوٹ ڈاکٹر مرڈک صاحب۔ دوسری صدی)

۲۔ گوتم باقی بدھ ازم کی بابت رہس ڈیوڈ صاحب جو مشرقی زبانوں میں نامی عالم ہیں اور اہل بدھ کے مذہب کی کتابوں کا ترجمہ کرچکے ہیں لکھتے ہیں کہ گوتم کے علم طبعی اور الٰہیات کی بہت باتیں کسی نہ کسی طرق میں پائی جاتی ہیں۔ ہندوں کی پرانی اور جدید کتابیں اخلاق میں اسکے برابر کی جا سکتی ہیں۔ وہ اصالت جو گوتم میں پائی جاتی ہے اس بات میں تھی کہ اسنے ان باتوں کو جو دوسرے خوب طرح کہہ گئے تھے بڑھایا اور ترتیب دی۔ بدھ ازم ہندو ازم کا نتیجہ ہے گوتم نے برہمن ازم میں تربیت پائی تھی۔ البتہ اسنے ذات کو منسوخ کیا اور کہا کہ نروانہ کی راہ اونچ اور نیچ کے لئے کھلی ہے۔ ریت و رسم کی بھی اسنے تحقیر کی۔ مگر پھر وہ سب سے دانا

اور سب سے اچھا ہندو تھا ‡ غرضکہ گوتم کے پیشیر وید وغیرہ تھے۔ اُسنے اُنہیں پڑھا
اور جو فلاسفی ویدوں سے نکل چکی تھی اُسکے غور و ملاحظہ سے گذری بہت کچھہ اسکے پیشتر تھا
اِس کی عقل عقل مجرد نہ تھی +

۳۔ کانفوشسس محض قدیم روایتوں کا عاشق تھا ریاست چین کی خیر اسکے مد نظر
تھی اور اِس بات کے حاصل کرنے کے لئے وہ لوگوں کو قدماء کے قوانین کی طرف رجوع
کرواتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی انالیکٹس کتاب باب میں اپنی بابت کہتا ہے۔ کہ میں قدیم باتوں
کا روایت کرنیوالا ہوں اُنکا بنانیوالا نہیں۔ قدماء کا معتقد اور عاشق۔ پھر ڈاکٹرن آف دی مین
کے جو اُسکے نواسے کو منسوب کیا جاتا ہے تیسویں باب میں لکھا ہے کہ اُسنے (کانفوشسس نے)
یاؤ اور شون کی تعلیمات روایت کیں گویا کہ وہ اسکے اجداد تھے۔ اور وان اور وو کے
قوانین کو اپنا نمونہ سمجھہ کر خوبی سے ظاہر کیا ہے † کانفوشسس ہمیشہ کہتا تھا کہ میری تعلیم وہی
جس کی سب آدمیوں کو چاہیئے کہ پیروی کریں۔ وہ یاؤ اور شون کی تعلیم ہے۔ اور میرا طریق
تعلیم بالکل سادہ ہے۔ میں وہ نمونے سُناتا ہوں جو قدماء ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ میں
لوگوں کو صلاح دیتا ہوں کہ پاک کتابوں کو پڑھیں اور چاہتا ہوں کہ وہ اُنکے اصولوں پر فکر
کرنے کی عادت پیدا کریں ‡ اور بھی واضح ہو کہ کانفوشسس اہل چین کی سب سے قدیم اور
تواریخی کتاب بنام شوکنگ سے یوں حوالہ دیا کرتا تھا کہ شو کہتی ہے اور پھر شوکنگ وہ کتاب

---

‡ رسالہ بدہ ازم باب ۲ صفحہ ۴۸۔ † سیکرڈ بکس آف دی ایسٹ۔ جلد سوم۔ یعنے سیکرڈ بکس آف چاینا
(چین کی پاک کتابیں) ترجمہ ڈاکٹر جیمس لیگی۔ دیباچہ صفحہ ۱۴۔ ‡ کرائسٹ اینڈ ادر ماسٹرس مصنفہ
ہارڈوک حصہ ۲۔ باب صفحہ ۲۸۲۔

ہی جس میں چینیوں کے قدیم بزرگوں (بادشاہوں) کے قانون اور ہدایتیں لکھی ہیں مثلاً یاؤ اور شون اور یو اور کاؤ یاؤ اور تھینگ وغیرہ کے۔ اب شوکنگ کے لکھنے والے یوں لکھتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں دریافت کرتے ہوئے ہم پاتے ہیں وغیرہ (دیکھو شوکنگ پہلا حصّہ - پہلا باب) اِس سے ظاہر ہی کہ نہ صرف کانفوشس بلکہ وہ کتابیں جنکا کانفوشس حوالہ دیتا تھا قدیم روایتوں کے راوی تھے۔ الحاصل کانفوشس کی عقل کے لئے بڑی مدد موجود تھی ؁

۴ - بعض عالم مثل ہالول کے کہتے ہیں کہ ہندوستان کُل شائستگی کی ماں ہی۔ اِس خیال کے جوش میں آکر کہتے ہیں کہ موسیٰ یا سی سائسٹرس کی پیدایش سے بہت مدت پہلے کسی ہندو رشی نے جمنا کے کنارے یا گنگا کے میدان میں ایک دینی طریق بنایا جو اُسوقت سے قریباً بے تبدیل رہا ہی۔ اور اگر ہم جانتے ہیں کہ وہ شرح پاویں جسکے سوائے اور کوئی نہیں جو مابعد کے طریقوں کے اِسراروں کو واضح کرسکتی ہی اور ہماری روحانیت کے عُقدوں کو حل کرسکتی ہی اور مغربی مُلکوں کو عیسویت کی صحیح صورت دیسکتی ہی تو چاہئے کہ ہم وہاں جاویں ؀

مگر دوسری طرف اِسکے مقابلہ میں اَور عالم بڑے زور کے ساتھ کہتے ہیں۔ چنانچہ نائے بھر کے سکول میں۔ کہ ہندوستان کی شائستگی جدید اور حاصل کی ہوئی ہی۔ اگر ہم اُسے اَور قوموں کی عقلی تواریخ کے ساتھ مقابلہ کریں تو وہ کل کی بات معلوم ہوتی ہی۔ ہند وجب اُنہوں نے سکندر اعظم کی فوجوں سے شکست کھائی اور جیسا مِگاس تھنیز نے بیان کیا ہنوز کامل وحشت سے نکلے تھے۔ وہ اُن کالے اور وحشی ہندؤں کے رشتہ دار تھے جنکا ہراڈٹس بیان کرتا ہی وغیرہ وغیرہ (کرائیسٹ اینڈ اور ماسٹرس مصنفہ چارلس ہارڈوک حصّہ ۲ باب اول) ؀

معلوم ہوتا ہے کہ یہہ دونوں طرفیں حد سے زیادہ بڑھکر کہتی ہیں - اور ہمارے نزدیک اصل حال یوں ہے جیسا ذیل کے بیان سے ثابت ہے - سو واضح ہو کہ اہل ایران کا مذہب اور ہند کے رشیوں کا مذہب ایک ہی چشمہ سے نکالے گئے ہیں - یعنے اُس مذہب سے جس کو ایرانیوں اور ہندوں کے عام یا مشترک اجداد مانتے تھے - +

(۱) - ویدوں اور دیگر کتب عتیقہ کی بابت میکس ملر صاحب کہتے ہیں کہ قدیم پاک کتابوں میں سے اکثر لکھے جانے سے پیشتر بہتیری پشتوں تک زبانی روایت کے ذریعہ سے چلی آئی تھیں - اُس زمانہ میں جب ایسا کچھہ نہ تھا جسے ہم انشا کہتے ہیں ہر ایک بات ہر ایک کہاوت ہر ایک قصہ جو باپ سے بیٹے کو سونپا گیا اُس میں بہت جلد ایک قسم کی پاک خصوصیت مانی گئی - وہ پاک ورثے ہو گئے - پاک اسلئے کہ وہ ایک نامعلوم چشمے سے - ایک بعید زمانہ سے آئے تھے - انسانی خیال کی ترقی میں ایک منزل یا مرتبہ تھا - جب کہ وہ دُوری جو زندہ پشت کو اُسکے باپ دادوں سے جُدا کرتی ہمیشگی کے خیال کی نسبت ہنوز سب سے نزدیک پہنچ گئی تھی (یعنے وہی دوری ہمیشگی سمجھی جاتی تھی) اور جب کہ باپ دادوں کا نام خدا کا سب سے نزدیکی بیان تھا یا صورت تھی - اسلئے جو کچھہ وہ نیم انسان اور نیم خدا باپ دادے کہہ گئے تھے وہ بشرط محفوظ رہنیکے شنائی انسانی کلام سے زیادہ سمجھا جاتا تھا - وہ تعظیم کے ساتھہ قبول کیا جاتا تھا - اُسپر کبھی شک اور نکتہ چینی نہ کی جاتی تھی *

+ سیکرڈ بکس آف دی ایسٹ - جلد ۴ زند - آوستہ - مترجمہ جیمس ڈرمیس ٹٹر - دیباچہ صفحہ ۷۰ مترجم موصوف نے اس بات کو آیندہ صفحوں میں ویدوں اور اوستہ سے مختصر طور پر خوب واضح کیا ہے اور ایک علیحدہ کتاب میں بھی ثابت کیا ہے - اسطرح ڈاکٹر مارٹن ہاگ نے ریلیجن آف پارسیز کے چوتھے درس میں برہمنوں اور پارسیوں میں ابتدائی رشتہ اوستہ اور ویدوں سے ثابت کیا ہے

اُن قدیم اقوال میں سے بعض محفوظ رکھے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے سچے اور ایسے عجیب ماموز تھے کہ فراموش نہ ہو سکتے تھے۔ اُن میں دائمی صداقتیں تھیں جو پہلے ہی مرتبہ انسانی زبان میں بیان ہوئیں۔ صداقت کے ایسے الٰہی سخنوں کی نسبت ہندوستان میں کہا گیا تھا کہ وہ سُنے گئے ہیں۔ یعنے سرُوتا۔ اور جس سے لفظ سرُوتی نکلا جو سنسکرت میں الٰہی مشاہدہ کے لئے مسلّم لفظ + ہے اس سے ظاہر ہے کہ رشیوں کی عقلِ مجرّد ویدوں کی بانی نہ تھی مگر پرانے خیال اور قول اُسکے ہمراہ ہوئے ٭

(ب) اسی طرح فارسیوں کے مذہب کا حال تھا پیشتر اس سے کہ وہ تحریر میں آیا۔ مگر فارسیوں کے موجودہ کتب اور مذہب کی اصالت کی کچھ اور ہی کیفیت ہے۔ کوئی عالم نہیں کہہ سکتا کہ اوستا اپنی موجودہ صورت میں سنہ عیسوی کی تیسری صدی سے پہلے کی معلوم ہو سکے۔ اور چونکہ یہہ امر ہر سال زیادہ واضح ہوتا جاتا ہے کہ اگر مسیحی نہیں تو شامی مختلف اصولی باتیں ساسانی زمانہ کے مذہب اور زبان اور انشاء میں مل گئی تھیں۔ اسلئے یقیناً ہم یہہ کہنے کی آزادی نہیں رکھتے کہ الہامی مذہب کے وہ نقش یا نشان جو فارس کی پاک کتابوں میں موجود ہیں ہر بات میں اصلی ہیں (یعنے اُن کتابوں کی اصلی باتیں ہیں) جس سے نقل کرنے کی طبیعت صرف یہودی قوم میں ثابت ہو۔ یہہ پہلے غالب ہے کہ فارسی نے عبرانی سے حاصل کیا۔ یہہ وہ زمانہ تھا جو ہر زمانہ گذشتہ سے بڑھکر یہہ خصوصیت رکھتا تھا یعنے دینی صلح کی پیاس۔ اِن خیالوں کو

+ سیکرڈ بکس آف دی ایسٹ۔ جلد اول۔ اُپنی شد حصہ اول۔ دیباچہ صفحہ ۱۲۔ یاد رہے کہ اِس حوالہ سے ہماری یہہ غرض نہیں کہ ویدوں کا غیر الہامی ہونا ثابت کریں۔ کیونکہ یہہ تو ثابت ہی ہے۔ مگر غرض یہہ ہے کہ ویدوں کے مصنف یا رشی محض اپنی مجرد عقل سے نہ چلتے تھے بلکہ پہلی زبانی روایت کے پیرو اور ناقل تھے۔ جسنے اُنکی سوچ کو زیادہ ترقی دی

جو اصل سے ایکدوسرے کے برخلاف ہی باہم موافق کرنا۔ اگر ممکن ہو تو عام اصولوں کو جو دنیا کے
مختلف مذاہب میں پھیلے ہوئے تھے قبضہ میں لانا مغربی اور مشرقی فلاسفی کا کام تھا میکس ملر صاحب
کہتے ہیں کہ وہ مذہبی اور الہیاتی بے ہوش کا زمانہ تھا۔ جب مایا اور صوفیہ متھرا اور مسیح۔ ورات
اور یسعایہ۔ بے لسں اور زروان اور کراناس بے دینی کے ایک ہی مخلوط سلسلہ میں شامل کئے گئے
جس سے آخر کار مشرق کو محمد کی مقدری تعلیموں نے رہا کیا + اور مغرب کو ٹیوٹانک قوموں کی خالص
عیسویت نے۔ انسانی طبیعت کے اس جوش میں سے بندہش + اور مینوخرد نکلیں جو شامی اور
عبرانی خیالوں سے بکثرت رنگی ہیں۔ کیونکہ یہودیوں نے اپنے مقدس شہر کے برباد ہونے پر
بابل میں اپنے بڑے مدرسے قایم کئے۔ عالموں کی جگہوں مثل اڈیسہ میں سب معلوم مذاہب
کے اصولوں پر بحث کی جاتی تھی۔ دین عیسوی بھی اُس نمبر میں شامل تھا۔ اور بارڈسینز جو ناسٹک تھا
مارقس اوریلی آس بادشاہ کے وقت اس شہر سے لکھتے ہوئے انجیل کی ترقی کی طرف توجہ
کرواتا ہے۔ نہ صرف پارتھا اور میدیا میں بلکہ فارس خاص اور بیکٹریہ (توران) میں۔ مانی جی ایکس
نے عیسویت کو اپنے مرکب ایمان کی بنیاد قبول کیا تھا۔ اثبات پر زور دیا جاسکتا ہے کہ جدید زرتشت
والوں کا ایک عزیز نوشتہ عیسائیوں کی جعلی کتاب عروج یسعایہ کا فارسی طور ہے +
الحاصل بیان مذکورہ سے ہمارا مدعا ثابت ہے کہ مختلف مذاہب کی کتابیں عقل مجرد کی سوچ کا

+ ہمارا پروفیسر صاحب کے اس فقرے کے ساتھ کلی اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ محمد میں بھی وہی طبیعت
ثابت ہے۔ اُسنے اپنے طور پر دیگر مذاہب کے اصولوں وغیرہ کو ایک ہی مذہب میں یا رسم میں گڑبڑ کردیا۔ اسکے
ہمعصر مدعی رہ گئے اور وہ بڑھ گیا + یہہ بھی پارسیوں کی دینی کتابیں ہیں مگر اوستہ کے بعد کی ہیں۔

+ کرالبت اینڈ اور مانسٹرس مصنفہ چارلس ہارڈوک حصہ ۴۔ باب ۴۔

حاصل نہیں ہیں مگر روائیت کی مدد ساتھہ رہی ہو۔ اور یہہ مدعا اس امر سے اور بھی تقویت
پاتا ہو کہ مختلف گروہ انسانی اصل میں ایکہی گروہ کی شاخیں ہیں۔ ایک ہی چشمہ سے نکلے ہیں۔ اور
پہلے سبھوں کی ایک ہی زبان تھی۔ یہہ بات بائیبل سے اور علم سے اور تجربہ سے ثابت ہو۔
زمانہ حال کی تحقیقاتوں نے اِسکو ایک امر مسلّم کر دیا ہو کہ انسان ایک ہی جنس ہیں۔ ایک ہی
خاندان ہیں۔ پس جو علم اصلی یا ابتدائی پشت کو تھا وہ علم ہر گروہ جدھر گیا اپنے ساتھہ لے گیا
اور کئی پشتوں تک اُس زبانی روایت نے انسان کی ہدایت کی۔ اور یہی سبب ہو کہ مختلف
قوموں میں اخلاقی اور نیز تواریخی باتوں میں کم و بیش موافقت دیکھتے یا سُنتے یا پڑھتے ہیں ✦

مگر وہ تحاریر جنکا بیان ہوا اور چند شخصوں کے وسیلے اُنکا اسقدر رواج ہوگیا کہ قریباً نصف
دنیا انکے پیچھے ہولی وہ کب لکھی گئیں؟ جب وہ موروثی علم۔ باپ دادوں کا روایتی بیان
وہ ابتدائی علم جو پہلی پشت سے آیا اور ہر گروہ کے ہمراہ گیا پُرانا ہونے لگا اور انسان کا سروکار
نیچر اور اُس کی چیزوں کے ساتھہ بڑھتا اور بدلتا گیا۔ ہاں جب وہ مقدس علم دُھندلا ہوگیا
اور کچھہ بقیہ اُس روایتی الہام کا رہگیا تب یہہ کتابیں لکھی گئیں۔ اور اسی لئے اُن کے بیان
غلط اور مخلوط ہیں اور صحت کم ہو۔ جیسا ناظرین پر امید ہو کہ ظاہر ہو جائیگا ✦

پس اہل عقل حد سے بڑھکر عقل مجرد پر نازاں نہ ہوویں۔ کیونکہ عقل تنہا نہ تھی مگر روایت
اُس کی بڑی باتوں میں ہدایت کرتی رہی ہو ✦

چوتھا باب

کیفیت اِلہام بائیبل کے بیان میں

فصل اوّل

الہام بائیبل کیا ہے

اہل ہند جو اپنے تئیں نیچری اور برمہو کہہ کہکر خوش ہو رہے ہیں اور الہام بائیبل سے ناواقف رہکر طرح طرح کے الہام بیان کرتے ہیں۔ کوئی کچھہ کہتا ہے اور کوئی کچھہ۔ ہر کوئی اپنے اپنے خیالوں کے غرور میں آیا ہوا ہے۔ اور الہام بائیبل سے بے پروا ہو رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو کہہ رہا ہے کہ وہ الہامی تو الہامی میں الہامی۔ اس طریق سے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ ہمارے برادران نہیں سمجھتے کہ یہہ عقلی الہام کچھہ نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ ایک پُرانا پسخوردہ اور مردود خیال ہے۔ جس کی غرض صرف یہہ ہے کہ الہام بائیبل میں سے الٰہی دخل کو نکالے اور انسانی دائرہ میں لاوے ۔

معلوم ہووے کہ لفظ الہام کے معنے دل میں کوئی بات ڈالنی ہے۔ ان لفظی معنوں کی

وجہہ سے بعضوں نے ہر ایک اتفاقیہ بات یا خیال کو (غلط ہو یا صحیح - نیک ہو یا بد) الہام کہا
ہی- اور اُسے خدا کا الہام سمجھتے ہیں- اور الہام الٰہی بائیبل کو اس سے بے زور کرنا چاہتے ہیں-
اِس حال میں یاد رہے کہ اگر لفظ الہام بائیبل کے الہام کی کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا اور
اِسلئے اگر ہم اِس لفظ کو چھوڑ دیویں تو بھی ہمارا مدعا قایم رہیگا- چنانچہ بائیبل کی نسبت ہم یونانی
لفظ (θεοπνευστος) تھے آپ نوستاس استعمال کر سکتے ہیں- جو بائیبل
خود اپنے حق میں استعمال کرتی ہی- یعنے خدا کی طرف سے پھونکا گیا (نامہ ۲ تمطاؤس ۳-۱۶)
اور عربی لفظ الہام کا بائیبل پر عاید کرنا محض ترجمہ کے لحاظ سے ہی- مگر الہام بھی اصطلاح میں
یہی معنے دیتا ہی یعنے خدا کی طرف سے کسی بات کا دل میں ڈالا جانا- اب بائیبل کے الہام کی
کیفیت حسب ذیل ہی +

اولاً- توریت میں ادعار الہام کی طرز حسب ذیل ہی- تب خداوند نے اُسے (موسی سے)
کہا کہ آدمی کو زبان کس نے دی اور کون گونگا کرتا ہی ؟ کیا میں نہیں کرتا جو خداوند ہوں پس
اب تو جا اور میں تیری بات کے ساتھ ہوں اور جو کچھہ تو کہیگا تجھہ کو سکھاؤنگا (خروج ۴- ۱۱ و ۱۲)
پھر موسیٰ احکام الٰہی کی منادی کا شروع ہمیشہ یوں کرتا ہی کہ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا- اور
خداوند نے موسیٰ سے یہہ کہتے ہوئے کلام کیا (باب ۲۰، ۷) توریت کا مطالعہ کرنے سے
معلوم ہوگا کہ ہم کلامی کی ہمیشہ یہی طرز ہی +

ثانیاً- انبیا کے صحیفوں میں یہہ طریق ہی- داؤد کہتا ہی- خداوند کی روح مجھہ میں بولی
اور اُسکا سخن میری زبان پر تھا- اِسرائیل کے خدا نے کہا- اِسرائیل کی چٹان نے مجھے کہا-
(۲ سموئیل ۲۳- ۲ و ۳) اور انبیا بھی پیغام الٰہی اور احکام ربانی کی منادی ہمیشہ اس طرح شروع

کرتے ہیں۔ کہ خداوند نے فرمایا ہی۔ رب الافواج کی زبان سے اِسبات کو فرمایا ہی (میکا ۴-۴) خداوند یوں کہتا ہی (یرمیا باب ۳۰) یرمیا بنی کے حق میں لکھا ہی کہ خداوند نے مجھے فرمایا کہ دیکھ میں نے اپنا کلام تیرے مُنہہ میں ڈال دیا (۱-۹) حزقیل نبی کی بابت لکھا ہی کہ ای آدم زاد تو اسرائیل پاس جا اور میری باتیں اُنہیں کہہ۔ اُنسے باتیں کر اور اُنہیں کہہ خداوند یہوواہ یوں فرماتا ہی۔ یسعایہ بن عموص کا تکیہ کلام یہہ ہی خداوند نے مجھے فرمایا (باب ۸-۱ و ۵) خداوند کا یہہ کلام یسعایہ پر نازل ہوا۔ ایسا ہی ہر نبی کو کہتے پاتے ہیں +

اِنجیل اِس الہام کی مُصدّق ہی کُتب انبیاء سابقین کی تقسیم ثلثہ کے حق میں ہمارے خداوند مسیح کا قول یہہ ہی کہ ضرور ہی کہ سب کچھہ جو موسیٰ کی توریت اور نبیوں نے نوشتوں اور زبوروں میں میری بابت لکھا ہی پورا ہو۔ جیسا اُسنے اپنے پاک نبیوں کی معرفت جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے کہا۔ ضرور تھا کہ وہ لکھا جو روح قدس نے داؤد کی زبانی آگے سے کہا پورا ہوئے۔ عہد عتیق کے الہامی ہونے پر اِنجیل مقدس کی آیات ذیل بھی کامل شہادت دیتی ہیں۔ اور جو اُس تحریک ربانی کی مظہر ہیں جسکے وسیلے سے ہر ایک بات لکھی گئی۔ ساری کتاب الہام سے ہی الخ (۲ تمطاؤس ۳-۱۶) پھر ۲ تمطاؤس ۱-۲۱ یوں ہی۔ کیونکہ نبوّت کی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ خدا کے مقدس لوگ روح قدس کے بُلوائے بولتے تھے +

ثالثاً۔ عہد جدید یعنے انجیل کی نسبت خداوند مسیح کے وعدے قابل حفظ ہیں چنانچہ حواریوں سے فرمایا کہ جب روح قدس تم پر آویگی تم قوت پاؤگے۔ اور یروشلم اور ساری یہودیہ و سامریہ میں بلکہ زمین کی حد تک میرے گواہ ہوگے (اعمال ۱: ۸) قوت آسمانی کا یہہ وعدہ

اور مقاموں میں بڑے زور اور تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ چنانچہ دیکھو انجیل متی ۱۰-۱۹ و ۲۰
لیکن جب وہ تمہیں پکڑ وائیں فکر نہ کرو کہ ہم کس طرح یا کیا کہینگے کیونکہ جو کچھ تمہیں کہنا ہوگا اُسی
گھڑی آگاہی ہوگی کیونکہ کہنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کی روح تم میں بولیگی۔ اِس کے
موافق دیکھو مرقس ۱۳-۱۱ -لوکا ۱۲-۱۲ اور ۲۱-۱۴ و ۱۵ - پھر یوحنا ۱۴-۲۶ -لیکن وہ
تسلی دینیوالا روح قدس جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمہیں سب چیزیں سکھاویگا اور
سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمہیں کہی ہیں یاد دلاویگا (باب ۱۶-۱۳) لیکن جب وہ یعنے روح حق
آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتاویگی۔ جب یہہ وعدہ پورا ہوا اور سب روح قدس سے
بھر گئے (اعمال ۲-۲۴) بعدہ حواری اِس قوت آسمانی کی تاثیر اور موجودگی کا بارہا دعویٰ
کرتے رہے (دیکھو کتاب اعمال الرسل اور نامہ افسیوں ۳-۵) جو اگلے زمانوں میں بنی آدم
کو اِس طرح نہ معلوم ہوا جس طرح اِس کے مقدس رسولوں اور نبیوں پر روح سے اب ظاہر ہوا
(۱ تسلونیقیوں ۲-۱۳) وہ کلام جو خدا کا ہے جسے ہم سُناتے ہیں الخ (۴-۸) اِسواسطے جو
حقارت کرتا ہے سو آدمی کی نہیں بلکہ خدا کی حقارت کرتا ہے جس نے ہمیں اپنی پاک روح بھی دی
حوالہ ذیل اِس امر پر گویا فیصلہ ہے اور وہ یہہ ہے (۱ قرنتیوں ۲-۱۲ و ۱۳) اب ہم نے دنیا کی
روح کو نہیں بلکہ وہ روح جو خدا کی طرف سے ہے پائی۔ تاکہ ہم اِن چیزوں کو جو خدا نے ہمیں
بخشی ہیں جانیں اور یہہ چیزیں ہم انسان کی سکھائی ہوئی باتوں سے نہیں بلکہ روح قدس
کی سکھائی ہوئی باتوں سے غرضکہ روحانی چیزوں کو روحانی باتوں سے ملا کے بیان بھی
کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ الہام بائبل کی نسبت یہہ بائبل کا اپنا بیان ہے اور اِس سے ناظرین

معلوم کر سکتے ہیں کہ برہمو اور نیچریوں کے عقلی الہاموں میں جو آج کل اسقدر ناز و انانیت سے مشتہر ہو رہے ہیں اور الہام بائیبل میں تفاوت ممتنع التطبیق کے درجہ پر ہے ٭

اوّل - انسانی الہام غور و فکر کے بعد دفعتاً یا معاً کوئی بات دل میں ڈالنیوالا کہا گیا ہے - مگر الہام بائیبل معلومات نامظہور کے مظہر اور تعلیمات نامعلوم کے معلم اور ہر سہو و خطا کا مصحح مقدم ٹھہرایا ہے - بیان مذکورہ بالا کو غور سے دیکھنے سے یہہ بات معلوم ہو جائیگی ٭

منجملہ اسکے واضح ہو کہ بائیبل میں دو قسم کے مضامین ہیں - ایک وہ جو مشاہدات میں داخل ہیں جنکا علم افشاء ربانی کے بغیر قابل تحصیل نہ تھا - دوسرے وہ جو مقدس راویوں کو معمولی طور سے معلوم ہو چکے تھے - یا ہو سکتے تھے - عہد عتیق اور عہد جدید میں دونوں قسم مضامین پائے جاتے ہیں - جیسے دنیا کا عدم سے بہ حکم الٰہی موجود ہونا اور موسیٰ کو شریعتیں دی جانی مشاہدات الٰہی کے متعلق ہیں - مگر بنی اسرائیل کا مصر سے خروج کرنے کا بیان معمولی طور سے معلوم ہو سکتا تھا - اسی طرح اور تواریخی امور ہیں - مگر نبوتیں مشاہدات میں داخل ہیں - اسیطرح انجیل میں ہے - مسیح کی زندگی کی تاریخ اگرچہ حواریوں کی چشم دیدہ کیفیت ہے مگر درحقیقت وہ ایک مشاہدات الٰہی ہے کیونکہ اسکو معمولی طور سے معلوم نہیں کر سکتے تھے - یعنے مسیح کی زندگی خود ایک مشاہدات ہے حواری صرف اُسکے لکھنیوالے ہیں - اسیطرح انجیل کی بڑی تعلیمات جو عقل سے دریافت نہیں ہو سکتی تھیں اور نیز نبوتیں مشاہدات الٰہی میں داخل ہیں - مگر پولوس کے سفر کی تنگی کا بیان اور مثل اُسکے وہ باتیں تھیں جو آدمی معمولی طور سے معلوم کرتے تھے یعنے اُنکے علم کے لئے خدا کے دخل کی حاجت نہ تھی - اب ظاہر ہے کہ ان دونوں قسموں کے نوشتوں کو الہام یا تحریک روح ربانی کی طرف منسوب کرتے ہیں - اور اُس الہام کے سبب

سے اُن سب مضامین کو کلام خدا کہا جاتا ہے۔ جب حواری کہتا ہے کہ ساری کتاب الہام سے ہے تو وہ کتاب مقدس کی ہر ایک بات کو الہامی ٹھہراتا ہے۔ خواہ تعلیم ہو خواہ تواریخ خواہ شرع ہو خواہ پیشین گوئی۔ یہی حال دونوں وثیقوں کا ہے۔ خدا نے اُنکے معمولی اور غیر معمولی باتوں کو الہام سے لکھوایا۔ خدا کے مقدس لوگ روح قدس کے بلوائے بولتے تھے۔ یہہ چیزیں روح قدس کی سکھائی ہوئی باتوں سے بیان کرتے ہیں :

معلوم ہو کہ اسی الہام کی ضرورت تھی۔ اِسی کے سبب سے بائبل کے نوشتوں کو خدا کی مرضی کا ظہور اور خدا کا کلام کہہ سکتے ہیں۔ اگر خدا کبھی کسی کو ظاہر کرتا کہ میں نے دنیا عدم سے بنائی ہے۔ یا مسیح خداوند اپنی نادر زندگی اس دنیا میں لوگوں کے سامنے گذران جاتا۔ اور اسی طرح اگر وہ سب امور جو بائبل میں بیان ہوئے ہیں وقوع میں آئے ہوتے۔ اور اس الہام سے نہ لکھے جاتے تو بائبل کو کلام خدا یا اُسکی مرضی کا ظہور ہرگز نہ کہا جاتا۔ اور اگر یوں ہی لکھی بھی جاتی تو مثل قرآن یا جعلی انجیلوں کے سمجھی جاتی۔ یا مثل کسی اور تواریخ کے اس لئے ضرور ہوا کہ بائبل الہام سے لکھوائی جائے۔ کیونکہ بدون اسکے وہ ہمارے ایمان اور اعمال کی متقاضی نہیں ہوسکتی تھی۔ انسان پر یہہ اختیار اور اثر جمانے کے لئے وہ روح قدس کی معرفت قلمبند ہوئی۔ خدا کی روح راویوں کو بولنے اور لکھنے کی ترغیب دیتی تھی + یہ ایک کو خاص حصہ اور مضمون مقرر کرتی تھی۔ + اُس نے اُن کی عقلوں کو روشن کیا اور اُن صداقتوں کی نسبت صحیح خیال بخشا جن کا وے بیان کرتے ہیں ‡ اُن کی یاد داشت کو تازہ اور مضبوط کیا تاکہ

+ ۲ پطرس ۱: ۲۱۔ + ۲ پطرس ۱: ۲۱ متی ۲۵: ۱۵ ‡ یرمیاہ ۱: ۱۱- ۱۶ اور ۱۳ ۹- ۱۴- حزقیل ۴: ۴- ۸- دانیل ۸: ۱۵- ۱۹ اور ۹: ۲۲- ۲۷ اور ۱۰۔ ۱ و ۸ عموس ۷: ۷ و ۸- ۸: ۱ ذکریا ۱: ۱۹- ۲۱- ۴: ۱۱- ۱۴- ۵: ۶ یوحنا ۱۶: ۱۳- افسیوں ۳: ۳ و ۴- ۱ پطرس ۱: ۱۰ و ۱۱-

جو کچھ اُنہوں نے دیکھا اور سُنا تھا صحیح طور سے یاد کریں اور لکھیں ‡ کثرت واقعات میں سے
مناسب کو چُن لینے کی ہدایت کی ۔ + وہ بیان بتلائے جو عقل سے یا کسی اور طرح معلوم
نہ ہو سکتے لیکن جو خدا کے مشاہدات سے ظاہر ہوئے ‡ حقیقتوں اور تعلیموں کے بیان کرنے
میں ایسی نگرانی کی کہ کاتب سہو و خطا سے ہر بیان میں بری ہو ‡ یہہ سارے مطالب برآمد
کرنے کے واسطے بائبل روح حق تعالی کی الہام سے لکھی گئی ۔ اور اِسلئے اُسکو خدا کی
روح کی کتاب کہا ہے ۔ پس الہام بائبل تو روح قدس کے الہام سے ہے ۔ اور اگر کوئی الہام
بغیر اس روحِ مقدس کے ہو تو ہو ہمیں اُس سے کیا غرض ہے +

دوم ۔ انسانی الہام کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ ہر شخص کو اور ہر زمانہ میں ہوتا رہا
ہے ۔ حالانکہ الہام بائبل مخصوص چیدہ شخصوں کو خاص خاص مقاصد کے لئے دیا گیا تھا ۔
اُس انسانی عام الہام کو ہم نے شکنجۂ تحقیق میں دھر کر دبا دیکھا مگر اسمیں الہام الٰہی ندارد
پایا ۔ اور بجائے اُسکے عقلی تناقض اور تشویش نفسی کا حال پایا ۔ وہ ناگہانی الہام ناقابل
ثبوت کہا گیا ہے مگر الہام بائبل قابل ثبوت ہے ۔ یہہ قوتِ نادیدنی ویسی ہی قابل ثبوت
ہے جیسا یہہ کلمۂ مغفرت کہ تیرے گناہ معاف ہوئے اس بات سے ثابت ہوا کہ
اُٹھ اور چل ۔ اسی طرح الہام بائبل بھی ایک واقعی حقیقت مثبت الاثبات ہے عقل اس

+ لوکا ۱ : ۳ ۔ یوحنا ۱۴ : ۲۶ ۔ یرمیاہ ۳۱ : ۳ ۔ ‡ یوحنا ۲۰ : ۳۰ و ۳۱ ۔ ۲۱ : ۲۵ ۔ رومیوں ۴ : ۲۳
و ۲۴ ۔ ۱۵ : ۴ ۔ ۱ قرنتیوں ۱۰ : ۶ ۔ ۱۱ ‡ پیدایش باب ۱ و ۲ و ۳ ۔ اخبار باب ۲۶ ۔ یسعیاہ ۴۱ : ۲۲ و ۲۳
۴۵ : ۲۱ ۔ ۴۶ : ۹ و ۱۰ ۔ ۲ تمطاوس ۳ : ۱۶ ۔ ‡ استثنا ۸ : ۱ ۔ ۴ ۔ زبور ۱۹ : ۷ ۔ ۱۱ ۔ زبور ۱۱۹ ۔
متی ۲۲ : ۲۹ ۔ لوکا ۱۴ : ۲۵ ۔ ۳۱ ۔ یوحنا ۵ : ۳۹ ۔ رومیوں ۱۵ : ۴ ۔ ۲ تمطاوس ۳ : ۱۵
۔ ۱۷ ۔ ۲ پطرس ۱ : ۱۹ ۔

بات کو واجب تسلیم کر سکتی ہے کہ ازعمی دعویٰ کی صداقت کے لئے ظاہری علامت ہونی
چاہئے - اور خدا نے بھی انسان کی آزادی اور حیلے اجمالی کے سبب سے مقدس راویوں سے
صرف دعوے ہی نہ کروائے بلکہ اُنکے ثبوت بھی ساتھ دیئے - اور ان اثبات کے دیکھنے اور
سُننے سے کامل یقین ہوسکتا ہے کہ منشاء فلاں شخص یا شخصوں کو خدا تعالیٰ نے ایک اعلیٰ
الہام عنایت کیا - حتیٰ کہ اُسکا فرمودہ فرمودۂ خدا ہوگیا ہے - پھر اُس ناگہانی الہام میں نیکی
اور صحت کی قید نہیں مگر الہام بائبل میں نیکی اور صحت مقدم ہیں - انہیں باتوں کے لئے وہ
الہام سے لکھوائی گئی - تاکہ خدا کی مرضی صاف اور صحیح اور یقینی طور سے سیکھی اور سکھائی جاوے +

سوم - نیچری الہام کچھ الہام نہیں ہے - کیونکہ نیچر عقل کے لئے ایک تختۂ مشق ہے - اور
اُس میں اور اُسپر غور کر کے نتیجے نکالتی ہے - مگر الہام بائبل فوق العادت ہے نیچر سے نہیں نیچر
کے خدا سے ہے - خدا اِس نیچر کے ذریعہ سے نہیں مگر اُسکے بغیر اور اعلیٰ طور پر ہم کلام ہوتا ہے - الہام
بائبل فوق العادت اسلئے ہوا کہ عادت کا تجربہ ہو چکا تھا - جب اِس طور سے منشا پورا نہ ہوا تو
خالق نے اُسے ایک اعلیٰ طور پر پورا کیا - اِس الہام کے فوق العادت ہونے ہی سے وہ فوائد
حاصل ہیں جو اَور طرح حاصل نہ ہوتے - بلکہ نقصان میں داخل تھے - یعنی اوّلاً - یہہ کہ اِسکا
فوق العادت ہونا ہی اِس امر میں خدا کی حضوری یا دخل کو عقل کے سامنے کرتا ہے - تاکہ آزاد ہو
مگر گمراہ عقل پر مرضی الٰہی کا ایسا اثر جمے کہ وہ یقین کرے کہ خدا تعالیٰ بہ طریق ثانی انسان
سے ہم کلام ہو رہا - اور کہ نیچر کی اور عقل اور کانشنس کی غلط کاریوں کی ایک آواز مستنر
مگر بلند سے گویا از سرِ نو تصحیح اور تفسیر کر رہا ہے - ثانیاً - اگرچہ مُلہم لوگ اِنسان تھے اور بذاتِ
خود سہو و خطا سے بری نہیں تاہم اِس محافظ نادیدنی کے امتیاز سے اُنکی تحریر نقص و خطا سے

رری ٹھہرتی ہی۔ ثالثاً اِس امر کا ثابت کرنا اُن لوگوں کے لیئے آسان تھا۔ رابعاً اُنکے نوشتے ایسے مستند اور قابل تسلیم اور واجب التعمیل ٹھہرتے ہیں کہ اُنکا ماننا اور نہ ماننا دوسروں کی خیر وشر کا موجب ٹھہرتا ہی۔ حالانکہ اَور انسانی کتب الٰہیات کی نسبت یہہ فواید حاصل نہیں ہیں۔ پس الہام بائیبل فوق العادت ہونے میں بڑی فوقیت رکھتا ہی۔ اور انسانی الہاموں سے ہر بات میں جُدا ہی ۞

اِس الہام بائیبل کے متعلق چند ایک امور ہیں جن کی نسبت اغلباً غلط فہمی ہو ہم اُنکا اس موقع پر اظہار کرتے ہیں۔ اور وہ یہہ ہیں۔ یعنے پہلا امر یہہ ہی کہ اگرچہ کل بائیبل الہامی ہی تاہم بائیبل کی ہر ایک بات مذہب میں داخل نہیں ہی۔ مثلاً بدلوگوں کی چال چلن اور غیر لوگوں کی باتیں اور شیطان کی کلام اور اُسکے دھوکے اِس میں لکھے گئے ہیں۔ ایسی باتوں کا الہام سے لکھا جانا اُنہیں پاک نہیں کر دیتا اور نہ اُنہیں ایمان اور اعمال کے لایق ٹھہراتا ہی۔ اُنکے الہام سے لکھے جانے سے یہہ حاصل ہی کہ اُن باتوں کے بیان کرنے میں کاتبوں نے غلطی نہیں کی جیسی تھیں ویسی ہی بلا سہو بیان کیں۔ اور اُنکی نسبت یہہ یقین ہمیں الہام سے آتا ہی اور یہہ نہیں کہ روح قدس اُن باتوں یا کاموں کو ہمارے سامنے سفارشاً پیش کرتا ہی۔ مگر وہ باتیں اور کام اُن ہی لوگوں کے ہیں۔ الہام اُنہیں اُن ہی لوگوں کے ٹھہراتا ہی جن سے وہ صادر ہوئے۔ پھر اِس حال میں اُن باتوں کو الہام سے لکھوانے کا فائدہ ہی کیا تھا؟ وہ الہام سے اِسلئے لکھائی گئیں کہ دیگر صداقتوں اور واقعات کے ساتھ کم وبیش نسبت رکھتی ہیں جو ایمان اور اعمال کے لیئے قلمبند کروائی گئی ہیں۔ اور اِس حیثیت یا رشتہ میں وہ عبرت اور تربیت دینیوالے ہیں ۞

دوسرا امر قابل غور یہہ ہی کہ یہہ الہام کتاب کے متعلق ہی نہ کہ کاتب کے۔ ساری کتاب الہام

سے ہی۔ اور یہہ نہیں کہ الہام انکے اندر سرایت کر گیا تھا ایسا کہ ہر ایک بات جو اُنہوں نے سوچی یا کہی یا کی تھی الہامی تھی۔ مگر سب کچھہ جو بائیبل میں لکھوایا گیا وہ الہامی ہی ٭

اِس الہام الٰہی کے برخلاف اور اُسکو برطرف کرنے کے لئے یورپ میں ڈمی اِسٹ لوگوں نے اور ہمارے مُلک میں برہمو ازم والوں نے ایک عام قدرتی الہام پیش کیا ہوا ہی جبکا ہم جُدا جُدا بیان کرینگے یعنے ایک نیچری الہام دوسرا عام الہام۔ گو یہہ ایک ہی مطلب ادا کرتے ہیں تاہم ہم ہر جزو کو آزماوینگے۔ اور دکھاوینگے کہ بائبل ایسے الہاموں سے برطرف نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہہ مخالفت الہام کی ضرورت کو اور بھی ثابت کرتی ہی

پہلا نیچری یا عقلی الہام

اب معلوم ہووے کہ وہ اہل ہند جو ایسا خیال کر رہے ہیں اور جو کتابی الہام کے برخلاف صرف نیچری الہام کی اولاتری پر زور دیتے ہیں۔ جیسے پارکر صاحب وغیرہ۔ تو عجب نہیں کہ ہمارے ہم وطن اُنکے خیالوں پر اپنی جانیں بیچ ڈالیں اور اُن کی تائید میں رسالے بھی لکھیں۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا رسالہ بنام خدا محبت ہی یا تہہ ایسے ہی مطلب کا ہماری نظر سے گذرا جسکے دوسرے نصف کو ہم نے خوب غور سے دیکھا اور بیان ذیل اُس میں مندرج پایا۔ وہ بیان نیچری الہام کی بڑی قوی طرز ہی۔ اور وہ یہہ ہی۔ تمام مخلوقات میں گناہ کے سوا کوئی خرابی ہی نہیں اور گناہ کوئی شی نہیں۔ گناہ صرف خطا کرنے یعنے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ تجاوز قصداً ہو خواہ سہواً۔ (یہاں مُصنف رسالہ مذکور نے کچھہ گڑبڑ کر دیا ہی۔ کیونکہ انسان اور حیوان کے تجاوز میں امتیاز کرنی چاہیئے۔ حیوان کا تجاوز کرنا اخلاقی گناہ نہیں۔ اور پھر تجاوز بھی ایک ہی قسم نہیں۔ ایک تجاوز

قوانین جسمانی کے متعلق ہی اور دوسرا قوانین اخلاقی کے۔ مگر ان سب کو مصنف نے ایک کر دیا ہی
دھوکھا دیا ہی اور راستی سے کام نہیں کیا جب انسان قدرتی راہ سے تجاوز کرتا ہی یعنی فاسد ارادہ
کو دل میں جگہہ دیتا ہی تو اُسکو تکلیف اُٹھانی پڑتی ہی جو لازمی نتیجہ اُس فعل کا اور بندھا ہوا قانون
قدرت کا ہوتا ہی۔ جیسے ہم جسمانی بے اعتدالیوں سے جسمانی تکالیف میں اور اخلاقی بے احتیاطیوں
سے روحانی تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں (یہاں مصنف کو لازم تھا کہ اخلاقی بے احتیاطیوں
اور اُن کی روحانی تکلیفوں کی تصریح کرتا مگر اس رسالہ میں یہہ مدار دہی) اُس تکلیف میں بھی
یہہ خوبی ہی کہ وہ ہمارا ایک ایسا عمدہ ہادی ہی جس کی نظیر اور کہیں نہیں مل سکتی۔ جن باتوں کے
سکھانے میں سیکڑوں وعظ موثر نہ ہوں اُنکو ایک گھڑی کی تکلیف کی تاثیر سکھا دیتی ہی (مصنف
کو خیال رہے کہ مسایل الہیات وہ باتیں نہیں ہیں) غرضکہ سزا و جزا بھی قانون قدرت کے
وضع ہونے کے ساتھہ ہی وضع ہو چکے ہیں جنکی عمل درآمد میں غلطی کی گنجایش ہی نہیں۔ پس
وہ قوانین الٰہی جنکے تابع ہم اور ساری مخلوقات ہیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ خالق کی مرضی
یہہ ہی کہ ہم علم حکمت اور صلاحیت نکو کاری میں برابر ترقی کرتے جائیں پتھر اور درختوں کے پتّوں
میں معرفت الٰہی کے دفتر بھرے ہوئے ہیں۔ اگر کتب الہامیہ بھی نہ ہوتیں پھر بھی قدرت کی زبان
حال نے ہی یہہ ساری باتیں انسان پر منکشف کر دی ہوتیں (مگر مصنف کو یاد رہے کہ ایسا کبھی
وقوع میں نہ آیا فقط اگر مگر سے کچھہ ثابت نہیں ہوتا)

یہہ عمدہ اور پرزور تقریر ہی اور ہم خود نیچر کی ہدایت کے قایل ہیں۔ مگر پھر بھی یہہ تحریر اپنے
نقص رکھتی ہی اور اِس امر کی تفتیش کے لیئے ضرور ہی کہ قوانین قدرت کی ماہیت ظاہری سے خوب
واقف ہوں اور تب نیچر کی صحیح تعلیم بیان کر سکینگے۔ پس بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ نیچر میں

حکومت الٰہی کے قوانین کی نظم و نسق کی دو قسمیں ہیں۔ اور ہر ایک قسم اپنے قوانین کے اجرا میں دوسرے کا لحاظ نہیں کرتی اور نہ دوسرے میں دخل دیتی ہے۔ اور وہ یہہ ہیں یعنے اوّل جسمانی قوانین۔ اور دوم اخلاقی قوانین۔ اِن دونوں کو جدا جدا جانچنا لازم ہے *

اوّل جسمانی قوانین کی بابت واضح ہو کہ یہہ عدیم الزوال ہیں۔ اپنے تجاوز کی سزا ساتھ ہی لازم ٹھہراتے ہیں۔ کیسا ہی مقدس اور پارسا کیوں نہ ہو اور کیسا ہی موذی اور گنہگار کیوں نہ ہو اگر ان قوانین سے تجاوز کرے تو ضرور اُس کی سزا پاتا ہے۔ جیسے اگر کوئی زاہد یا موذی یا کوئی نارنج کسی بلندی سے گریں تو قانون کشش اپنے طریق معینہ میں فتور نہیں ڈالتا۔ اور وہ شخص اور یہہ چیز اگر کسی صورت سے سنبھالے نہ جاویں تو ضرور گرینگے۔ نکوکاری اور بدکاری سہوا و قصداً سے یہہ قوانین واقف نہیں ہیں۔ اِسکا کیا سبب ہے؟ سبب وہی ہے جو ہر شے کا سبب ہے یعنے اُس خالق اور مقنن نے اُن کی سرشت میں ضرورت مرکوز کردی۔ اُس کے برعکس نہیں کرسکتے۔ جو قانون کسی شے کی نسبت ٹھہرا دیا ہے وہ ویسا ہی اثر دکھاویگی مثلاً آفتاب کو یہہ اختیار نہیں کہ روشنی اور گرمی دیوے یا نہ دیوے۔ زمین کو اختیار نہیں کہ اُگاوے یا نہ اُگاوے ضرور اُگاوے خواہ موسیٰ بوئے خواہ فرعون۔ آگ کو اختیار نہیں کہ جلاوے یا نہ جلاوے۔ زمین کو اختیار نہیں کہ گردش کرے یا نہ کرے۔ غرض کہ جس شے کی نسبت جو قانون مقرر ہو چکا ہے وہ اُس قانون سے مقید ہے۔ ہمارے مصنف صاحب کا بیان اِس قسم کے قوانین کے متعلق ہے۔ آپ نے اخلاقی قوانین کو ناحق ان میں ملا دیا چنانچہ آپ نے ایک مثال پیش کی ہے کہ کوئی

* مثلاً نادان اپنی نادانی کے باعث گر پڑتا ہے یا چاقو وغیرہ سے اپنے کسی عضو کو زخمی کرتا ہے

تو اپنی تکلیف کا آپ ہی باعث ہوتا ہے مگر وہ درد اُس صدمہ کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے وغیرہ۔
یاد رہے کہ اِن باتوں کو قوانین اخلاقیہ سے کچھ سروکار نہیں اُنکی فرمانبرداری یا عدولی
اخلاقی فرمانبرداری یا عدولی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اِن قوانین سے نہ اُن کی سزا سے تجاوز
سے کسی امر کے نیک و بد ہونے کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہہ اُنکے مقرر کئے جانے کی غرض
ہی نہیں۔ قوانین جسمانی میں بذاتہ کسی اخلاقی تجاوز کی سزا یا تعلیم موضوع نہیں ہے۔ اُن پر غور
کرنے سے ہم صرف یہہ معلوم کرتے ہیں کہ فلاں شے کی نسبت یہہ یا وہ قانون مقرر ہے۔ اور
خواہ کسی غرض سے ہم اُسکا استعمال کریں وہ اپنے اُس قانون کا اثر دکھاویگی۔ مثلاً جس نے
چاقو سے ہاتھ کاٹا یا کلک کاٹی یا کسی کی گردن کاٹی چاقو کا کام ہر حالت میں وہی رہا۔
ہم نے استعمال سیکھا اور محض کاٹنے سے اُسے کسی اخلاقی امر کا معلم قرار نہیں دیسکتے۔ الغرض
ہاتھ اور کلک اور گردن کا کٹ جانا قوانین جسمانی کے عین موافق ہے۔ مگر کسی فعل کی بھلائی
یا برائی کے وہ ذمہ دار نہیں۔ دیکھو۔ کسی عورت سے ہم بستر ہونا قوانین ہذا کے برخلاف نہیں
عین موافق ہے۔ بھلا ہو یا بُرا اِس سے اُنکو کچھ غرض نہیں۔ اِس فعل کا نتیجہ جو قوانین قدرت
نے لازمی ٹھہرا رکھا ہے وہی ہوگا۔ چور کا کسی آلہ سے سینذہ مارنا۔ کسی کے باغ سے پھل
توڑنا قوانین ہذا کے موافق ہے۔ پھل توڑنے سے ٹوٹ جائیگا اور کسی آلہ سے مٹی یا اینٹ
اُکھاڑنے سے اُکھڑ جائیگی۔ قدرت کی اِن اشیا اور اُنکے اثر کا علم خود قانون قدرت ہی نے
سکھایا ہے۔ تجربہ سے اِنسان نے اکثر اشیا کے قوانین اور استعمال معلوم کر لئے ہیں۔ اگر اُنکے
استعمال میں انسان غلطی کرے تو یہہ اخلاقی تجاوز نہ ہوگا اور نہ اُسپر اخلاقی جرم والی سزا
جم سکیگی۔ اِسبات کے لئے کچھ اور بھی ساتھہ چاہئے۔ جسقدر جسمانی چیزوں سے انسان کا

سرزد کار ہی اُسقدر یہہ قوانین جبراً اطاعت کرواتے ہیں اور تجاوز کی سزا لازمی ٹھہراتے ہیں
البتہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہی کہ جسمانی قوانین اخلاقی تجاوز کے لئے سامان تعزیر کئے جاتے ہیں
مگر یہہ جسمانی قوانین کا ذاتی خاصہ نہیں ہی پر خالق کی مرضی سے ایسا وقوع میں آتا ہی +

دوم - قوانین اخلاقیہ - یہہ قسم قوانین مذکورہ سے بالکل جُدا ہی - کیونکہ جو مدعا اُنسے
مقصود ہی وہ قوانین جسمانی کی پیروی سے حاصل نہیں ہوتا - یہہ اِنسان کی روحانی ترقی کیطرف
راجع ہیں - خدا نے انسان کے باطن میں قوانین اخلاقیہ کے علم اور تعمیل کے لئے ایک قوّت
بخش دی ہی (موقع پر اُسکا ذکر زیادہ آویگا) نیکی اور بدی کی امتیاز کا مُعلّم ہمارے باطن میں +
ہی نہ کہ بیرونی آگ - ہوا - پانی اور مٹی میں - حیوان مُطلق قوانین اخلاقیہ سے تجاوز کرنے کے قابل
نہیں ہیں - قانون اخلاقی کا اُنپر کچھہ زور نہیں - یہہ قوانین ہی ایسے ہیں کہ ایک اعلیٰ ہستی کے
لئے مقصود ہوئے معلوم دیتے ہیں - ایسی ہستی جس میں نیک اور بد میں تمیز کرنے کی قوت ہو علاوہ
اِسکے اِن قوانین میں ضرورت نہیں ہی آزادگی کا دور ہی - پھر ایک اور لطف یہہ ہی کہ قوانین

+ ہمارے مصنّف کا تکلیف اور سزا کو صلاحیت اور نیکو کا کا معلم اور ہادی قرار دینا اور اُسے بے نظیر
کہنا ہمیں بالکل غلط معلوم ہوتا ہی - کیونکہ انتظام الٰہی موجودہ کی یہہ طرز نظر آتی ہی کہ بدون لحاظ خطا اور نیکوکاری کے
نیکوں اور بدوں پر یکساں تکلیف وارد کیجاتی ہی - اور یہہ کچھہ آج ہی کی شکایت نہیں قدیم سے چلی آتی ہی - کہ سب کچھہ جو
ہوتا ہی سبھوں پر یکساں گزرتا ہی - صادق اور شریر پر نیکوکار اور ناپاک اور پاک پر - اُسپر جو قربانی لاتا ہی اور اُسپر جو
قربانی نہیں لاتا ایک ہی ماجرہ واقع ہوتا ہی جیسا نیکوکار ہی ویسا ہی خطاکار ہی - نیکوکار لوگ ہیں جنکو وہ واقع
ہوتا ہی جو چاہئے تھا کہ بدکرداروں کو ہو - اور شریر لوگ ہیں جنہیں وہ ملتا ہی جو چاہئے تھا کہ راستبازوں کو ملے -
پس صاحب قوانین جسمانی کا ہادی اور معلم بے نظیر ہونا کہاں رہا ؟ عالم کی یہہ حالت تو انسان کو گمراہ کرنیوالی
ہی - پس یہہ بے ترتیبی انسان کو اسقدر نیکی کی طرف نہیں جسقدر بدی کی طرف سے پھیرنے والی ٹھہرتی ہی -

اخلاقیہ کے تجاوز کی سزا ساتھہ ہی وضع نہیں ہوئی ہمیشہ ساتھہ ہی ظاہر نہیں ہوتی - بہتیرے چور اور زانی اور کافر اور جھوٹھے وغیرہ وغیرہ بے عقوبت چین کرتے ہیں - (ہماری مراد انسانی سزا سے نہیں ہو اس سزا کا اس بحث میں دخل ہی نہیں) کبھی سزا دیجاتی ہو اور کبھی مبرا جیسے پھرتے ہیں - تاہم روحانی سزا ساتھہ ہی وضع ہوگئی ہو مگر انسان اس سزا کے اثر سے بے اثر رہتے ہیں - روحانی سزا یا تکلیف اس دنیا میں یہہ ہو - یعنے - روحانی موت - روح کی اعلیٰ قوا یعنے قوت اخلاقیہ اور عقل کا بگڑ جانا - پاکیزگی کے عوض ناپاکی میں قایم و دایم ہونا - تعظیم الٰہی سے انحراف کرکے مخلوق کی پرستش کرنا - قوتِ ارادہ یا مرضیٔ آزاد کا نیکی کے عوض بدی کی طرف راغب ہونا - پاک اور صحیح فکر کے عوض ناپاک سوچوں میں مبتلا ہونا - دل میں محبت کے عوض کینہ اور حسد آجانا - یہہ سب باتیں اور اور اسی قسم کی انسان کی حالت سزایابی کی مظہر ہیں - اخلاقی قوانین کے تجاوز میں یہہ سزا لازمی ہوئی - آدم زاد سمجھتے ہیں کہ ہم سرشتًا ایسے ہی ہیں - بے شک ہیں مگر دراصل یہہ انسان کے لئے پاکیزگی کے تجاوز کی روحانی سزا ہو - خالق نے اُسے ایسا ناپاک نہ بنایا ورنہ ناپاکی کے برخلاف ہدایت نہ دیتا - اور یہہ غلط بات ہو کہ انسان ایسی حالتِ ناشایستہ میں خلق ہوئے اور اب صلاحیت اور نیکوکاری کی طرف ترقی کرتے آتے ہیں - یہہ ایسی لازمی سزا ہو کہ انسان اِس سے آپ ہی رہا ہوکر اپنی اصلی حالت پر نہیں آسکتا ہو (اب تک کوئی نہیں آیا)

بقیہ حاشیہ اور اس سبب سے تقلید نیکی میں انسان کو پوری دلیری اور تسلی نہیں ہوسکتی اور نیکی کا صحیح علم اور عمل نایاب رہتا ہو اور اس حالت سے مددگار کی ضرورت ظاہر ہوتی ہو جو اسباب کو خاطرخواہ منکشف کردے کہ اگرچہ اس زندگی میں نیکی اور بدی کی واجبی جزا اور سزا نہیں ملتی تاہم آیندہ ہستی ہو جس میں ہر ایک کو واجبی بدلہ ملیگا اور کہ ہماری حالتِ موجودہ حالتِ آزمایش ہو - اِس میں دیکھہ دیکھکے نہیں مگر ایمان سے چلنا ہو +

اور نہ آنے کی چنداں رغبت ہی دکھاتا ہی بلکہ گناہ کرنے سے خوش ہوتا ہی۔ اور جب تک فیض رحمانی کی تاثیر اور مدد نہ ہوئے تب تک حقیقی تائب بھی نہیں ہوتا اور نہو سکتا ہی۔ اِس سزا نے انسان کا عجب حال کر رکھا ہی۔ اِس سے بچنا چاہئے۔ اِسی کے سبب اِنسان جسمانی بے اعتدالیوں میں بھی مبتلا ہوتے ہیں جو باطنی خرابی کا ظاہری ثبوت ٹھہرتی ہیں۔ یاد رہے کہ قوانین اخلاقیہ کے تجاوز کی ظاہری سزا اِس زندگی میں گاہ بگاہ دیجاتی ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ اِس جگہہ انسان کو پوری سزا نہیں ملی۔ اور چونکہ یہہ قوانین بھی دراصل ابدی اور نیز اپنے تجاوز کی سزا اور تعمیل کی جزا میں عدیم الزوال ہیں تو اُن کی سزا کامل کا وارد ہونا لاکلام ہی کیونکہ تاحین سزا ئے عصمت ثابت نہیں ہوتی۔ غرضکہ نیچر کی رو سے قوانین اخلاقیہ کی تجاوز اور تعمیل کی سزا اور جزا ایک امر یقینی نہیں مشتبہ رہتا ہی +

پھر ہم مان لیتے ہیں کہ اگر کتب الہامیہ نہ بھی ہوتیں پھر بھی ہر دو قسم قوانین خدا کی صفات اور ادائے فرائض کے انکشاف کے لئے کفایت کرتے مگر یہہ اُس حال میں جب ذاتی عقل سالم رہتی اور عقل کو بے عقل نہ کہہ سکتے۔ لیکن وہ اپنے آپ پر چھوڑی گئی اور نیچر اُس کے سامنے تھی۔ جسکو جس طرح عقل بُلا دے وہ بولے اور دوسرا کوئی نہ تھا جو اُس کی مدد کرتا (البتہ کہہ سکتے ہیں کہ روایت اُسکے ہمراہ کی گئی) اور علاوہ اسکے زبان حال اور زبان قال کی سرود کی چاشنی کا قدردان مرضی کا آزاد تھا۔ یہہ انسان جسپر ہر دو قسم قوانین وارد کئے گئے اور جن میں سے قوانین اخلاقیہ کی نسبت وہ آزاد چھوڑا گیا۔ ہاں وہ آزاد ہی کہ اُنہیں واجب التعمیل مانے یا نہ مانے حتّی کہ اُنکے برخلاف کرے تو بھی اختیار ہی۔ اِس آزادی نے انسان کو اپنی کل دنیوی کا بھلی ہوں خواہ بُری جواب دہ بنا رکھا ہی۔ اور اِسی لئے اخلاقی تجاوز صرف اُسی سے سرزد

ہو سکتا ہے۔ مگر انسان کی ایسی نادر حالت کا نتیجہ کیا ہوا۔ لازم تھا کہ قوانین جسمانی سے انسان اُس مُقنِن قادر اور حکیم کا ہمیشہ مقر ہوتا۔ اور قوانین اخلاقیہ کے اظہار سے بھی صلاحیت اور نیکوکاری وغیرہ سیکھتا۔ ہاں لازم تھا کہ انسان زبان حال کے ساتھ اپنی زبان قال سے پاک دلی کے سرود نکالتا اور اُس صانع اعظم کی صفات کی ارغنون ناطقہ سے نغمہ پردازی کرتا مگر اِس طبیعت کے آزاد اور صاحب ادراک نے یہہ مدعا حسب ضابطہ پورا نہ کیا۔ حضرت آزاد نے قوانین الٰہی کی اطاعت ناگوار سمجھکر ترک کی اور اپنے قانون بنائے۔ اور گمراہ ہوگیا۔ کیونکہ اُسکے لئے مقرر ہو چکا تھا کہ اپنی آزادی کی راہ سے جو چاہے کرے۔ اور اُس نے ویسا ہی کیا۔ ضمیر کی صدا نقارخانہ آزادی میں معدوم ہوئی۔ عقل کی بھی آب جاتی رہی۔ گناہ کی ظلمت میں آزادی انسان کو لئے پھری اور اِس تاریکی میں عقل نابینا سی پھرا کی۔ یہہ انسان کا نیچری حال ہے۔ نیچری الہام اور مُلہم کی یہہ حالت رہی ہے۔ الحاصل قوانین جسمانی اور قوانین اخلاقیہ کے تجاوز میں بہت فرق ہے۔ اِس فرق کو ہمیشہ نگاہ رکھیں تو ہم معلوم کرینگے کہ بہرحال نیچری انسان کمک الٰہی کا محتاج ہے +

یہہ موقع مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب اگنی ہوتری صاحب والے مذہب پر غور کیا جاوے کیونکہ یہہ صاحب بھی الہام کے دشمن اور صرف عقل کے پیرو ہیں۔ اور نیچری الہام والے کی طرح وہ بھی اُسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اگنی ہوتری صاحب نے ایک عالمگیر مذہب تجویز کیا ہے۔ وہ ہے تو انتخابی مگر وجہہ ایجاد اِس کی یوں ہے:۔ فاضلوں نے تسلسل قانون یعنے کنٹی نیوائٹی آف لا کا جو اصول معلوم کیا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ اور اب تک لوگ جیسا سمجھتے رہے اور سمجھتے ہیں کہ مذہبی یا روحانی امور اس قانون کے سلسلہ سے باہر ہیں وہ اُنکی سخت

غلطی اور نادانی ہے۔" "میرے اس بیان سے آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ جیسے مادے دنیا میں کشش ثقل (گریوی ٹیشن) کا قانون ایک ہی ہے اور جس قانون کے موافق اس ملک میں آم کا پھل ٹوٹ کر زمین پر گرتا ہے۔ اُسی قانون کے موافق امریکا میں ایک باغ کے باغ میں سیب کا پھل بھی زمین پر گرتا ہے ..... ویسے ہی انسانی روح کی پاک تبدیلی یعنے نئی زندگی اور مکتی کے حاصل کرنے کے اصول بھی ایک ہی ہیں۔ اور دنیا میں جو مذہبی فرقے اُنہیں مختلف طرح کا بیان کرتے ہیں وہ سائنس یعنے علم کی حقیقت کو نہیں سمجھتے" (رسالہ دنیا کا ایک عالمگیر اور روحانی مذہب۔ صفحہ ۴۵ - ۴۸)

واضح ہو کہ اِس سارے رسالہ میں جو ۶۶ صفحہ کا ہے صرف یہی تین صفحے ہیں جن میں عالمگیر مذہب کی دلیل دی گئی ہے اور وہ بھی عبارت منقولہ بالا میں۔ باقی ساری کتاب میں رام موہن رائے اور بابو کیشب چندر سین وغیرہ کی سوچوں کا احوال بیان ہے اور اپنے خیالوں کو اُنکے خیالوں پر ترجیح دی ہے اور دیگر مذاہب کو ناقص بتلایا ہے +

ہم اگنی ہوتری صاحب کے قول سے بالکل اتفاق ظاہر کرتے ہیں کہ قوانین قدرت ہر جگہہ اور ہر زمانہ میں یکساں ہیں (گو یہہ بات ساری صحیح نہ ہو) اور ہم اُسکو بھی صحیح جانتے بلکہ اِس نور دیدہ برہمو آزم سے پہلے عیسائیوں کا یہہ دعویٰ ہے کہ اِنسان کی پاک دلی اور نجات کے لئے خدا کا مقرر کیا ہوا ایک ہی قانون یا مذہب ہے اور ایک ہی ہونا چاہئے۔ دیگر مذاہب کی نسبت میں نہیں کہہ سکتا لیکن دین عیسوی میں یہہ بات تسلیم کی گئی۔ اور اِسی لئے بلالحاظ اور بلا رعایت کسی اَور مذہب کے وہ فقط اپنے تئیں کل عالم کے لئے ایک قانون راستبازی اور نجات کا پیش کرتا ہے۔ یہہ سب تو ٹھیک ہے مگر :-

سوال ہو کہ کیا سبب ہو کہ آم یا سیب ایک ہی قانونِ کشش کے بند میں ہیں اور اِس
قانون کی عدولی نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ لیکن انسان قانونِ اخلاق سے کیوں ویسا ہی
بندھا نہیں ہو اور کیوں تجاوز کرتا اور کر سکتا ہو؟ حالانکہ وہ اُسی قانون کی پیروی سے پاکدل
اور نیکی کا مستحق ہو سکتا ہو اور کسی اپنی ایجاد کی ہوئی تجویز سے نہیں ہو سکتا۔ سو معلوم ہو کہ قانون
اخلاق کا یہہ اصول ابتدائے پیدایش سے انسان میں صحیح سمجھا جاتا ہو۔ کہ اخلاقی وجود بنائے
جانے کی وجہہ سے لازم ہوا کہ وہ مرضی کا **آزاد** بنایا جاوے۔ اِس آزادگی کے سبب سے اِسکو
اختیار رہا ہو اور ہو کہ اگر پاکیزگی اور آرام سرمدی کو حاصل کرنا چاہے تو اِس روحانی قانون کا پابند رہے
اور اگر نہ چاہے تو ایسا نہ کرے۔ اب اِس اصول سے کیا حاصل ہو۔ یہہ کہ یکساں اور تسلسل قانون کی
رو سے ضرور ہو کہ قانونِ کشش اور قانونِ اخلاق ہر جگہہ اور ہر زمانہ کے لئے ایک ہی ہو اور
ایسا ہی ہو۔ لیکن جس طرح قانونِ کشش میں ضرورت موضوع کی گئی ہو۔ یعنے سیب یا آم کو کسی جگہہ
اور کسی وقت یہہ آزادگی نہیں کہ نیچے گرے یا اوپر جائے۔ اِس طرح قانونِ اخلاق میں ضرورت
لازمی نہیں ہو بلکہ آزادگی ہو۔ اِنسان میں اور اَور چیزوں مثل حیوانات اور نباتات اور جمادات
میں یہہ فرق ہو کہ یہہ چیزیں اپنے اپنے قانون سے بےبس ہیں لیکن اِنسان روحانی قانون
میں آزاد ہو۔ گناہ کا عام رواج اور مذہبی اور عقلی اختلاف اور چال چلن کا اختلاف اِسی سبب سے
ہو ورنہ اِنسان کا وتیرہ بھی مثل اشیاء مذکورہ کے ہمیشہ اور ضرور یکساں ہوتا +

اِس آزادگی کا نتیجہ جو انسان کی روحانی حالت سے معلوم ہوتا ہو وہ تو ظاہر ہو۔ گناہ کی
تاثیر و محبت سے **آزاد مرضی** اُس ایک سچے روحانی قانون سے نہ صرف بےپروا بلکہ
متنفر ہو گئی۔ حتیٰ کہ اُس اخلاق و روحانی زندگی کے قانون بھی عقل کو بھول گئے۔ ضمیر کی

آواز مدھم ہو گئی۔ اور ایسا ہو گیا کہ انسان بھلائی کو بُرائی اور بُرائی کو بھلائی کر کے مانتے
رہے ہیں اور مانتے ہیں۔ یہانتک کہ یہہ امر ناممکن ہو گیا کہ انسان بالاتفاق اُس روحانی
قانون کو جانے اور مانے اور بجا لا کرے۔ ایک آدمی دوسرے کو کامیابی کے ساتھ مایل
کرنے میں عاجز رہا کہ گناہ کو چھوڑے یا چھڑا دے اور پاکیزگی کی پیروی کرے یا کرا دے۔
مگر انسان کیوں ایسا کرے؟ اگر اور چیزوں کی طرح یہہ بھی بے بس ہوتا تو تجاویز اور ترغیبوں
اور ہدایتوں کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ وہ آزاد ہی اور اسلیئے روحانی قانون میں بے بس نہیں ہی۔
اِسلئے خدا نے اِس آزاد کو اپنے طور پر یعنے ایک اعلیٰ طور سے سمجھانے کا انتظام کیا۔ کیونکہ آلیس کے
اور قدرتی طریقوں کا یہہ حال تھا اور ہی کہ انسان اُنکو نہیں مانتا۔ اور اِس اعلیٰ طریق کے ساتھ
اعلیٰ ثبوت بھی دیئے تاکہ انسان سمجھے اور قایل ہو سکے کہ وہی خدا جسنے روحانی قانون انسان
کے لئے مقرر کیا تھا اور انسان اس سے منحرف ہو گیا وہی خدا پھر دوبارہ اِسکی تاکید کرتا ہی
اور اِس مرضی کے آزاد مگر بھولے ہوئے کو وہ روحانی قانون منانے کا یہہ اور صرف یہی
قوی ذریعہ ہو سکتا ہی۔ نیچیر کی نسبت زیادہ تر قوی طور سے ترغیب دلائی کہ اس روحانی قانون
کی اطاعت کرے۔ کیونکہ انسان اِس امر کو نہیں معلوم کر سکتا کہ روحانی قانون کا رشتہ آیندہ
زندگی کے ساتھ ہی اور اِس سبب سے اس کی نسبت اور بھی بے پروائی تھی لیکن خداوند تعالیٰ
نے خوب جتا دیا ہی کہ روحانی قانون کا تعلّق کس عالم کے ساتھ ہی اِس بیان سے ظاہر ہی
کہ اگنی ہوتری صاحب کی تجویز عالمگیر مذہب والی عبث ہی۔ روحانی قانون کے ایک بھاری
اصول یعنے انسان کی آزادگی کو نظر سے ڈالا ہوا تھا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اہل برہمو اور
دیو دھرمی اور نیچری کمترین کی صلاحوں سے بہت فایدہ حاصل کرینگے اگر انتظام الٰہی کو صحیح

طور سے سوچا کریں۔ اُن کی سوچوں کے امداد کے لئے یہہ رسالہ نذر کیا جاتا ہے۔ اور الہام الٰہی کی پیروی کی ہدایت کی جاتی ہے جو بائیبل ہے +

دوسرا۔ عام الہام

بعض عالموں نے الہام الٰہی جو اعلیٰ طور سے ہوا اپنی عقل کی آزادگی کے سبب نہ ماننے کی غرض سے الہام آسمانی کے برخلاف الہام عام پیش کر رکھا ہے۔ اور اس کی تعریف یوں کی گئی ہے † کہ خدا لوگوں کو اب بھی اُسیطرح ملہم کرتا ہے جیسا کہ وہ پہلے کرتا رہا ہے اور کہ ایک انسان کی روحانی ترقی میں ہم دو قسم کی مشترک طاقتوں کو کام کرتا ہوا پاتے ہیں۔ ایکطرف انسان کی اپنی کوشش اور دوسری طرف خدا کی رحمت یا نعمت اُس کی اُسی ترقی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ خدا کی رحمت کا نازل ہونا کچھہ خیالی نہیں اور نہ اِس قسم کا ہے کہ جو ایک وقت میں ہوا اور دوسرے میں نہ ہو +

یہہ تعریف عام الہام کی الہام الٰہی خاص کو برطرف نہیں کرتی لیکن صرف اسکو عام کر دیتی ہے۔ اب فضل یا محبت الٰہی کی بابت معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کیا ہے۔ وہ عموماً نجات اور دیگر برکات پر دلالت کرتا ہے جو انسان کی کل حاجات کے شامل حال ہیں۔ اِسلئے مشہور الہام الٰہی خود فضل کا ایک جزو ہے اور اُس سے انسان کی خیر مقصود ہے پھر دوسرے فضل کی وہ تاثیر جو انسان کی روحانی ترقی کا ذریعہ ہے اور جس سے بقول شاستری صاحب فہم

---

† رسالہ برادر ہند۔ لاہور بابت ماہ نومبر ۱۸۹۹ع نمبر ۱۱۔ جناب اگنی ہوتری صاحب برہمو پرچیر نے بھی اپنے رسالہ مذہب اور عقل مطبوعہ برہم سمت ۵۷ کے صفحہ ۲۰ میں ایسا بیان کیا ہے۔

اور دل یعنے محبت کرنیوالی قوت اور کانشنس اور ایمان مترقی ہوتے ہیں۔ ہر دو امور عموماً فضل میں داخل ہیں مگر خصوصاً فضل کے جداگانہ ظہور میں۔ موخر سے انسان کی رغبات اور عادات اخلاقیہ مترقی ہوتے ہیں گویا نو پیدا ہو کر طہارت اور نفاست کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اور مقدم الذکر سے خدا کی مرضی کا صحیح یقینی اور مستند طور سے معلوم ہوتا اور نیز اُسکا قلمبند کرنا کہ الہام کی غرض اسی بات سے ہی پس لازم اور مناسب ہی کہ اُنہیں ہرگز مخلوط نہ کریں۔ پھر۔

اولاً۔ دنیا کے دینی حالات سے معلوم ہوتا ہی کہ اس معاملہ میں ہر قوم و ہر انسان پر خدا نے اپنی رحمت کو ایسا نہیں بہایا جیسا شاستری صاحب کا گمان ہی کیونکہ اُنہوں نے اگرچہ خدا کو پہچانا تو بھی خدائی کے لائق اُس کی بزرگی اور شکرگذاری نہ کی بلکہ اپنے خیالوں میں بیہودہ ہوگئے اور اُنکے نافہم دل تاریک ہوگئے۔ وے آپ کو دانا ٹھہرا کے نادان ہوگئے اور غیر فانی خدا کے جلال کو فانی آدمیوں اور چڑیوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت سے بدل ڈالا۔ اِسواسطے خدا نے بھی اُن کے دلوں کی خواہش پر اُنہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ اپنے بدنوں کو آپس میں بےحرمت کریں۔ اُنہوں نے خدا کی سچائی کو جھوٹھ سے بدل ڈالا اور بنانیوالے کی نسبت سے جو ہمیشہ ستایش کے لایق ہی۔ آمین بنائی ہوئی چیزوں کی زیادہ پرستش کی۔ اِس سبب سے خدا نے اُنکو گندی شہوتوں میں چھوڑ دیا۔ وغیرہ۔ اور جس حال کہ اُنہوں نے پسند نہ کیا کہ خدا کی پہچان کو حفظ کر رکھیں خدا نے بھی اُنکو عقل کی بےتمیزی میں چھوڑ دیا کہ نالایق کام کریں۔ وے سب طرح کی ناراستی حرامکاری بدخواہی لالچ بدذاتی سے بھر گئے۔ وغیرہ (نامہ رومیوں باب آیت ۱۲ سے آخر تک) یہہ باتیں بیان ذیل سے اور بھی تمام ہوتی ہیں۔ بے فکر آدمیوں کے فضلی الہام سے طرح دے کے

ہم اُن شخصوں کے الہام کا بیان کرتے ہیں جنہوں نے ایک طرف اپنی کوشش کی اور دوسری طرف بقول شاستری صاحب خدا کی رحمت اُن کی ترقی کا ذریعہ رہی !! پس :-

ثانیاً۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ولادت مسیح سے پیشتر غیر قوموں کا یہہ اعتقاد تھا کہ دُنیا مثل ایک ملک کے صوبوں میں منقسم ہے اور ہر ایک پر علیحدہ خدا مسلط ہیں۔ اور یہہ ہی سبب ہے کہ مشرقی اقوام کے الٰہہ گال اور جرمن اور دیگر شمالی اقوام کے موافق نہ تھے۔ یونانیوں کے الٰہہ مصریوں کے دیوتوں سے جو حیوانوں اور درختوں اور دیگر اشیا نیچر کی پرستش کرتے بالکل متفرق تھے۔ عبادت کا طریق بھی ہر قوم کا جُدا تھا۔ ساری قوموں کے اکثر دیوتا نامور بہادر مرد تھے جس کسی نے کسی قسم کا نادر کام کیا وہ دیوتاؤں کی فہرست میں شامل کیا جاتا تھا۔ پس کیا انسانی روحانی ترقی میں ایک طرف انسان کی اپنی کوشش اور دوسری طرف فضل الٰہی کا یہہ ظہور تھا۔ بقول آپ کے یہہ قومیں مُلہم ہوتی رہی ہیں۔ کیا اُس شخصی الہام کے قیاس میں جو آپ کو یا آپ کے ہم عصروں کو ہو رہا ہے یہہ امور حق اور مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ اگر نہیں تو آپ کا کہنا غلط ہے کہ خدا اب بھی لوگوں کو اُسی طرح ملہم کرتا ہے جیسا کہ وہ پہلے کرتا رہا ہے۔ اور اگر آپ کے نزدیک یہہ باتیں درست ہیں اور اُس الہام کا نتیجہ تھیں جس کی آپ نے اب خبر دی تو آپ کے اور ہمارے شخصی الہام میں فرق ہے۔ اور اِس سے یہہ ظاہر ہے کہ شخصی الہام قدیم شخصی الہام جدید کے مقابل میں از حد ناقص تھا +

باایں ہمہ ہم اُنکے اور اپنے باپ دادوں کی کوشش کا خیال کریں جو اُنہوں نے عبادت کے بارے میں کی اور باتوں کو بالفعل رہنے دو۔ پس دیوتوں کے آگے انسانی قربانیاں چڑھانی جگن ناتھ کی مورت تلے کچلکر خودکشی کے جرم کے مرتکب ہوتا۔ بچوں کو دیوتوں کے

آتشی بازوں میں ڈالکر اُنہیں بھسم ہوتے دیکھنا اور یوں ثواب جمع کرنا !!- وغیرہ وغیرہ-
کیا انسانی کوشش اور فضل الہٰی کی اعانت کے پھل یعنے شخصی الہام کا کام یہی ہو- پر اب
تو ایسا الہام دیکھنے سُننے ہیں کم آتا ہو- حتیٰ کہ وہ باتیں نہ صرف بُری بلکہ جرم سمجھی جاتی ہیں-
پس پہلا شخصی الہام لاریب ناقص اور غلط تھا اور آپکا قول بھی بطالت پر مبنی ہو- پھر اُن کے
دیوتا اور ہادی فقط بدی کا نمونہ تھے تو کیا وہ ہادی اور اُنکے پیرو الہام سے اُس طرف
راغب کئے جاتے تھے ؟ یاد رہے کہ مذکورہ باتوں میں جاہل اور عالم اور فلاسفر سب شریک تھے
یہہ باتیں عوام کے ہادیوں اور عالموں کی سکھلائی ہوئی تھیں- چنانچہ اُنکے عالم نہ صرف ایسی
باتیں بلکہ اور قسم کی بھی جو عوام کے سمجھہ میں کم آتی تھیں سکھایا کرتے تھے- زمانہ ولادت
مسیح میں کئی فرقے فلاسفی کے رائج تھے- اُنکے پیروؤں کو ایسا مختلف شخصی الہام ہوا کہ اُنکی
فلاسفی کا کچھہ ٹھکانا نہیں- مثلاً افقوریوں نے روحانی ترقی میں کوشش کی اور خدا کی رحمت
اُن کی مددگار ہوئی اور یہہ بتلایا کہ دُنیا اتفاقاً موجود ہوگئی اور یہہ کہ الٰہہ انسان کے کاروبار
پر نگاہِ حفاظت نہ رکھتے اور نہ رکھہ سکتے ہیں- اکاڈیمکس کی فلسفہ کی بنا شک تھی- الہون
کی ہستی اور عدم ہستی کو امر شبہہ کہتے تھے- آیا روح کو فنا ہو یا بقا- آیا بدی نیکی سے بہتر ہو
یا نیکی بدی سے- خدا کی نسبت ارسطو کا خیال بھی افقوریوں کے موافق تھا- مشرقی فلاسفی
کے پلے روما اور ڈیمی ارگس کا خیال کرنا چاہئے کہ بیہودگی میں کیسے عجیب تھے- اب صرف
اِنہیں مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہو کسی اور موقع پر اِنکا اور بعضے اور کا بھی مفصل بیان کیا جائیگا-
کیا ہر ایک فیلسوف پر خدا کی رحمت تھی جسنے اُنہیں اِن باتوں کا علم بخشا- ایک کو اپنی نسبت
متشکی رکھا دوسرے کو جسمانی بتلایا اور تیسرے سے خالق ہونے کا انکار کیا ؟ کیا جہاں علم الٰہی کا

یہہ حال ہو وہاں روحانی ترقی درستی کے ساتھہ ہو سکتی ہی؟ آج کل کے رواجی خیال اس قسم کے نہیں ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایسا ہی حال ہی۔ یعنے پہلے ویدآزم یعنے ویدانت پھر برہمن ازم یعنے برہم مت اور پھر مختلف فرقے یا مدرسے فلاسفی کے جیسے سانکھیا اور بدھ ازم یعنے گوتمی بنتھہ اور فقیری مت پھر چین میں بھی کانفوشی آن ازم اور ٹاؤ ازم جاری ہوئے۔ کیا ان سب کے بانی اور پیرو اسیطرح ملہم ہوا کرتے جیسا شاستری صاحب کا گمان ہی؟ ایک دوسرے کے برخلاف تھا اور ایک دوسرے کو اپنے سے ہیچ قرار دیتا گیا۔ اب کسکا کلام صحیح ٹھہرا۔ اور یا کہ شخصی الہام میں صحت کوئی شرط نہیں ہی۔ پھر دیکھئے صاحب آپ کی اور آپ جیسیوں کی روحانی کوشش میں فضل الہی کی مدد ہوئی تو آپ لوگوں نے دین عیسوی کو بناوٹی یا جھوٹھا یا کچھہ اور سمجھا اور بندہ کی کوشش میں خدا کی رحمت ہوئی تو دین عیسوی کو منجانب اللہ اور برحق مان لیا۔ کیا یہہ الہام آپ کے دل لگتا ہی؟ کیونکہ آپ کا اور بندہ کا شخصی الہام ایک دوسرے کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ اور کمترین کے نزدیک شخصی الہام کچھہ چیز ہی نہیں سو یہاں ایک اور قباحت ہوگی۔ اسلئے اس بات سے ہرگز بے خبر اور بے پروا نہ رہنا چاہئے کہ تناقض عقلی قدیم سے چلا آتا ہی۔ اور ایک انسان زندگی بھر میں کئی خیال بدلتا ہی تو کس عقل اور کس خیال کو الہامی کہینگے۔ یہہ باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں انسان کی تشویش نفسی کا ظہور ہیں نہ کہ فضل الہی کی امداد کا نتیجہ۔ اگر کہا جاوے کہ شخصی الہام عقلی الہام کو کہتے ہیں یعنے عقل کی مختلف اور متناقض سوچوں کا نام ہی اور خدا کی رحمت اسمیں سے خارج کریں تو البتہ ہم اس الہام کو مان سکتے ہیں کیونکہ اُس حال میں وہ انسان کی صرف اپنی کوشش کا حاصل ہوگا اور اگر یہہ نتیجے خدا کی رحمت کی طرف منسوب کئے جاویں تو ہمیں نہ اِس رحمت کا اعتبار اور نہ اِس شخصی الہام کا بھروسہ ہی ✣

پس اول امور قابل علم اور امور قابل عمل پر ہر زمانہ کے عُلما اور جُہلا متفق نہیں ہیں اور یہہ اختلاف یا تو شخصی الہام کے ذمہ ہو یا ذاتی عقل کے +

دوم ظاہر ہو کہ ایک شخص دوسرے کے خیالات اپنی تقریر و دلیل وغیرہ سے بدل سکتا ہو۔ گاہے بُرے خیالوں کے عوض عمدہ خیالوں کی طرف مایل کرے اور گاہے نیک سے بد بناوے۔ دوسرے کے الہام کو باطل ٹھہراوے اور اپنے الہام کو صحیح قرار دیوے تو کیا یہہ اوصاف حمیدہ الہام کو منسوب کئے جائینگے !! پھر اگر اُس الہام کا یہہ ہی مدعا ہو کہ ہر فرد بشر اپنی اپنی قوائے مُلہم کا مقلد رہے تو کاہکو ماہواری رسالوں اور ہفتہ وار اخباروں میں مکرر مشتہر کیا جاتا ہو کہ انسان کی ہدایت کا بڑا بھاری وسیلہ کانشنس اور عقل اور شخصی الہام ہیں۔ ہر انسان ضرور ہو کہ اِن ہادیوں سے گویا سرشتاً آگاہ ہو۔ دفع تناقض کے علاج کے اشتہاروں کی کیا حاجت ہو۔ ایک کہہ سکتا ہو کہ مجھے یوں الہام ہوتا ہو دوسرا کہہ سکتا ہو کہ مجھے ووں ہوتا ہو۔ اور سب کو اِسطرح کہنے کی گنجایش ہو۔ اور خوبی یا خرابی خدا کی حرمت کے ذمہ رہے !! ای عزیز و دوستو یہہ الہام کیا اندھیر ہو !! ناظرین اور نہیں تو اپنے اور ہم عصروں ہی کے خیال اور اعتقاد کا مقابلہ کر کے خود ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ ایسے الہام سے کیسی کیسی خرابیاں عاید ہو سکتی ہیں۔ اور اکثر شخصی الہام کی اِس بہترین تعریف پر اتفاق کرینگے کہ شخصی الہام کیا ہو؟ یہہ کہ یہ اُس کا خیال۔ وہ تیرا خیال۔ میرا کچھہ اور خیال۔ اور ثلثہ اضدا دا الہامی خیال۔ اور بلفظوں میں شخصی الہام ہو۔ الحاصل الہام عام کا خیال ایک غلط خیال ہو جسکے قایم رکھنے کے لئے ایک بھی دلیل نہیں ہو۔ الہام بائیبل پر محض اعتراض کرنے سے شخصی الہام ثابت نہوگا۔ اِسکو بجائے خود ثابت کرنا چاہیئے۔ اور جہاں تک ہم نے شخصی الہام کی کیفیت معلوم کی ہو

اُس سے تو عقل نہ صرف اپنی کوشش و غور پر بلکہ خدا کی رحمت پر داغ لگاتی ہے؛

فصل دوم

الہام بائبل کا تحریری ہونا

الہام بائبل کے متعلق ایک یہہ بات ہے کہ وہ تحریری ہے اور ایسا ہونے میں وہ عقلی مذہب پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہہ بات سبھوں کو تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ انسان روحانی تربیت پانے اور دینے کے قابل ہے۔ اور پھر یہہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی شخص یا قوم جب ایسی تربیت میں ترقی کرتی ہے تو زبانی سیکھنے اور سکھانے کا طریق موقوف ہو کر اسکے بجائے تحریری طریق دخل پاتا ہے۔ اور جب تک تحریری زبان رواج نہیں پاتی تو کوئی قوم کیوں نہو وہ ناشایستہ حالت میں رہتی ہے۔ وحشی قوموں کی وحشت کا یہہ بڑا بھاری سبب ہے۔ اور نہ صرف جنگلی اور ناشایستہ لوگوں کا یہہ حال رہتا ہے بلکہ جہاں لوگ شائستہ کہے جاتے ہیں وہاں بھی وہ حصہ آبادی کا جو باوجود اور خوبیوں کے اگر تحریری زبان سے ناواقف ہے تو اسکی عالموں کی نسبت اخلاقی اور عقلی تربیت میں بہت کم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ شہری اور دیہاتی عقل اور ہشیاری میں تمیز کیجاتی ہے۔ اور اس کی بنا اسیات پر ہے کہ شہروں کی نسبت دیہات میں تحریری زبان کا چرچا کم ہوتا ہے جس میں علم و ہنر و اخلاق بھرے ہوتے ہیں ؛

تحریری زبان میں یہہ فائدہ ہے کہ ایک کے خیال یا دلائیں یا معلومات دوسرے کو معلوم ہو سکتے ہیں اور کام بھی آتے ہیں وہ اُنسے یوں فائدہ اُٹھا سکتا ہے کہ گویا وہ باتیں اپنی ہی ہیں۔ ایک قوم کے علم و ہنر دوسری قوم سیکھ سکتی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کو اپنی

طریق سے شائستہ کر سکتی ہی - جیسا ہم اپنے زمانہ میں بھی دیکھہ رہے ہیں - دیرینہ خیالوں اور باتوں کو معلوم کر کے اُنکا وزن کر سکتے ہیں اور اپنے خیالوں کو بڑھا سکتے ہیں +

تحریری زبان میں عمدگی اور صحت ہوتی ہی - اور ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکتا ہی کہ فلاں قوم کا فلاں امر یا امروں کی نسبت کیا خیال اور اعتقاد تھا - ہاں اسباب کے لئے ہم اُن کی تحریری نہ زبانی لغات کی طرف رجوع کرتے ہیں - کیونکہ جو کچھہ زبانی روایت کیا جاتا ہی اُس کی نہ لغت کا آمد ہی اور نہ اُس کی صحت کا بھروسا ہی - کسی واقع کی نسبت زبانی روایت میں غلطی اور ملونی اِسقدر آجاتی ہی کہ حق اور باطل میں تمیز کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہی - مگر تحریری بیان میں یہہ قباحت نہیں ہوتی - غرضکہ یہہ کہنا بہت بڑھکر نہ ہوگا کہ تحریری زبان کے بغیر تربیت اور شائستگی ناممکن یا محال ہی +

پس چونکہ تحریری زبان انسان کی اخلاقی اور عقلی تربیت کا بڑا بھاری وسیلہ ہی اور اسی طور سے انسان ایک دوسرے کو سکھاتے اور سیکھتے ہیں لہذا اسی طور سے خدا کی سوچ اور ارادے بنی آدم پر دوام اور قیام پا سکتے ہیں - اور شک اور ضرورت کے وقت اُس کی لغات کو دیکھکر ہشیار ہو سکتے ہیں - اِسلئے خدا نے اپنی مرضی کو آگ ہوا پانی اور مٹی میں لپٹا نہ رہنے دیا کہ ایک اُسے دیکھے اور سمجھہ سکے اور دوسرے یونہیں رہیں یا ہر دو غلط طور سے سمجھیں - بلکہ الہام سے لکھوایا تاکہ ہر قوم اُسکا اثر معلوم کر سکے اور شبہے میں نہ رہے - اور چونکہ یہہ الہام پرانی اور مشکل اور مشتبہہ اور نامعلوم باتوں کو آسان اور منکشف کرنیوالا ہی اِسلئے اُسکے نزول کی سہل اور قوی صورت اختیار کی گئی - اور وہ الہام ربانی کا کتابی یا تحریری ہونا ہی +

فصل سوم

اعتراضات

الہام بائبل پر چند ایک اعتراض عاید کئے گئے ہیں۔ اُن کا کسیقدر فیصلہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے +

اوّل ۔ باوجود کترین کے گذشتہ بیان کے شاید یہہ کہنے کی گنجایش ہو کہ ہم نے یکطرفہ بیان کیا ہے اور زمانہ کے رُخ ترقی اور انتظام الٰہی کا لحاظ نہیں کیا یعنے اولاً یہہ کہ انسان حالت کم علمی سے معرفت کی طرف بہ تدریج ترقی کر رہے ہیں اور تا ہنوز کمال کو نہیں پہنچے۔ مگر تحصیل کاملیت کا زمانہ آتا جاتا ہے جبکہ عقل مجرّد (یہہ صرف کہنے کی بات ہے کیونکہ عقل نہ مجرّد تھی نہ ہے) الہام کی عدم ضرورت کو واضح ولایح کر دیگی۔ ثانیاً یہہ کہ ہم نے خدا کے انتظام فیض بخش کو محدود ٹھہرایا ہے کیونکہ خدا کا فضل عام ہے اور جب کبھی مہربان ہوتا ہے تو سب پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اُس عدیم النظیر خدائے مجسم کا بھی قول ہے کہ وہ (خدا) اپنے سورج کو نیکوں اور بدوں پر طلوع کرتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر مینہہ برساتا ہے

اسکے جواب میں صرف اتنا ہی کہنا کفایت کرتا کہ پہلا قول دوسرے کا جواب ہے مگر ہم ہر دو کا علٰحدہ ذکر مناسب سمجھتے ہیں۔ پس پہلے قول کی نسبت یہہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل مشین عالم خواہ جاہل طرفی کے شروع میں تھے پر اب اُس ترقی کا نتیجہ دیکھو مسیحی ملکوں میں !! جرمنی میں اور اور ملکوں میں جاؤ جہاں فلاسفی اپنا کمال دکھا رہی ہے۔ اور اپنی بالا دستی سے ظلمت اخلاقی و عقلی کو دور کر رہی ہے۔ مگر حقیقتیں ایسے خیالوں اور دعووں کو تہ و بالا کرتی ہیں اور جب زمانہ حال کی فلاسفی الہام سے علیحدہ ہو کر درافشانی کرتی ہے تو قدیم یونان اور ہند اور مصر وغیرہ سے گمراہ اور

مختلف خیالوں میں سبقت نہیں لیجاتی۔ قدیم بیہودگی کو نئے وسوسوں میں ملبّس کر کے اُسکا نام ارجمند فلاسفی رکھہ دیتے ہیں۔ ایک عبرانیوں کے عبرانی کا قول ہے کہ کیا خدا نے اِس دنیا کی حکمت کو بیوقوفی نہیں ٹھہرایا؟ اور پھر یہہ کہ دنیا نے اپنی حکمت سے خدا کو نہ پہچانا۔ اب ایک طرف دنیا کی حکمت ہے اور دوسری طرف اُس عبرانی کا قول ہے جو ہر زمانہ کی حکمت کو شامل کرتا ہے۔ اسلئے فقیہوں سے دریافت کریں کہ حق کس جانب ہے۔ اہل پیشین کی حکمت کی مختصر کیفیت ہم لکھہ چکے ہیں وہ عقل کا روشن زمانہ تھا۔ اب اِس موقع پر متاخرین کا مختصر احوال گوشگذار کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہہ حکمت جسکا بیان ہم کرنے پر ہیں الہام کا سہل لیکر گندگی سے کسیقدر پاک ہوگئی ہے۔ تاہم جن حکما میں بے اعتدالی نے زیادتی کی اُنپر دماغ کی پراگندگی نے پھر زور پایا جس سے ایسی باتیں صادر ہوئیں۔ جنکے دیکھنے اور سُننے سے ہائے الہام! ہائے الہام! کی صدا دل سے پھر پھر اُٹھتی ہے *

پس واضح ہو کہ مسٹر کالنس نے اٹھارویں صدی کے شروع میں الہام کے برخلاف کئی قسم کے اعتراض مشتہر کئے۔ سوسوائے اُن اعتراضوں کے یہہ حکمت سکھلاتا ہے کہ روح ہیولانی اور فانی ہے۔ ڈاکٹر ٹنڈل جو صاحب مذکور کا ہمعصر تھا دین عیسوی کے برخلاف بہت کچھہ کہکے یہہ سکھلاتا ہے کہ مذہب طبعی ہر انسان کی سمجھہ میں آسکتا ہے حتی کہ جاہل سے جاہل انسان پر روشن ہے اور کہ خدا اس سے زیادہ تر صفائی سے کسی طرح نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اور پھر یہہ کہتا ہے کہ قریباً کل انسان خدا کی نسبت بیہودہ خیال رکھتے تھے۔ اور مذہب طبعی کی تفہیم غلط تھی۔ لارڈ بولن بروک ماسوائے اور باتوں کے یہہ حکمت سکھاتا ہے کہ انتظام الہی کا ذکر کرنا یا اُسی پر یقین کرنا بیہودہ خیال ہے۔ خدا انسان کے کاروبار سے بے پروا رہتا ہے اور اگر دخل دیتا ہے تو عموماً نہ کہ خصوصاً۔ اور کہ آیندہ حالت میں جزا اور سزا نہیں ہے۔ اور مذہب طبعی کی نسبت ڈاکٹر ٹنڈل کے ساتھہ متفق ہے۔ اور کہ

روح ایک جسمانی مادہ ہی اور فانی ہی - کہ روح کو غیر فانی کہنا ایسا ہی جیسا دو اور دو کو پانچ کہنا ہی - اور کہ انسان میں ضمیر (کانشنس) نہیں ہی صرف بناوٹ ہی - اور کہ ایک سے زیادہ خدا ماننا ایک خدا ماننے کی نسبت زیادہ تر طبیعت کے موافق ہی - ہیوم وغیرہ کے بیانسے طرح دیکھے والٹیر اور شاہِ پرشیا فریڈرک ثانی وغیرہما کی فلاسفی بھی قابل شنید ہی - ان حکما کا خیال جناب باریتعالی کی بابت بہت ہی ابتر تھا - اُس کی آزاد شخصیت کے منکر تھے اور قریباً ہمہ اوست والوں کے موافق تھے انتظام الٰہی اور خدا کی اخلاقی حکومت کو رد کرتے تھے - ہر واقع یا نتیجہ کو قسمت یا اتفاق کیطرف منسوب کرتے تھے - روح کی جسم سے علیحدہ ہستی کے انکاری تھے - اِنکے نزدیک انسان محض ہیولا - ایک کل مثل گھڑی کے ہی اور بس موت کے بعد نہ قیامت ہی نہ کوئی اور ہستی - اور نہ جزا ہی نہ سزا - موت کے بعد انسان ہستی سے راہی عدم ہوتا ہی ان علما کے آدر آور محض نیچریوں کے اصول اخلاقیہ بھی ایسے ہی بد ہیں +

اب ناظرین خود ہی اِنصاف کریں کہ کیا یہہ حکمت جدید حکماء یونان و ہند کی حکمت قدیم سے بہتر ہی - کیا ترقی اِسی کو کہتے ہیں ؟ کیا ہمارے نیچری یا برہمو برادران ایسی عقل پر بھول رہے ہیں - جسنے صحیفہ نیچر کی بھی قدر نہ جانی اور اُسکے مُدعا اور مطلب سے گمراہ رہی ؟ واہ ری عقل ! اعترافی مذکور کے قول کو تو نے خوب ہی ثابت کیا اور ہم نے معلوم کیا کہ تیری کاملیت اُسوقت ظہور دکھائیگی جب بہشت بشری سطح زمین پر سے گذر جائیگی - پھر تو ہتھیار کس کام کا جو وقت پر کام نہ آیا !! اب کیا اِس سے زیادہ کوئی امر عیاں ہی کہ بدون الہام ربانی کے عقل کی معلومات ہر زمانہ میں یکساں ہیں - آج کل جو خوبیاں عقل اور ضمیر میں گویا حلول ہو چلی ہیں اُنکے لحاظ سے تو ہم اِنکے حق میں ایک کلمہ تعریف کا مُنہہ سے نہیں نکال سکتے - اِنکے لئے وہ الہام کی مقروض ہی - مگر یہہ خوبیاں بھی اُنہیں میں

پائی جاتی ہیں جو الہام کے اثر سے صراحتاً یا اشارتاً مُقتر ہو کر اپنی اپنی عقل کو آراستہ کر رہے ہیں
اور جن عالموں کا بیان مذکور ہوا اُن کی نسبت کچھہ اور تھی۔ پس اس افضل اور ترقی زمانہ کا یہہ حال ہی
جو ہم نے اپنے ہمعصر برادران پر واضح کیا۔ اور اگر ہم اپنے ہندو مذہب کی ترقی کا حال سوچیں
تو معلوم کرینگے کہ گذشتہ کی نسبت اُس کی موجودہ حالت زیادہ خراب ہوگئی ہی۔ کب ہمارا ملک
روحانی اور اخلاقی ترقی میں کامل ہوگا؟ وہ تو ابتر ہوتا جاتا ہی۔ ظاہر ہی کہ عقل نے تا ہنوز الہام
کی ضرورت کو خارج نہیں کر پایا۔ اِسلئے اُس عبرانی کا قول آج تک کی انسانی حکمت پر حاوی ہی۔
اور آیندہ ترقی جو مجرّد عقل سے ہوگی سو ہماری نسلیں برہمو ازم اور راشنل ازم کے مقلدوں کی
نسل پر اسطرح واضح کرینگی اِسلئے آیندہ کی نسبت ہم پیش دستی سے کچھہ نہیں کہتے +

ثانیاً۔ یہہ کہ خدا کے انتظام کے کام عام ہیں ایسا کہ جب مہربان ہوتا ہی تو سب پر ہوتا ہی۔
مثال اُس کی آفتاب کا طلوع ہونا اور بارش کا نازل ہونا +

واضح ہو کہ انتظام الٰہی ایسا ہی کہ تدریج کو خارج نہیں کرتا۔ ہر ایک متحرک شی اپنے شروع
اور وسط اور انجام پر منقسم ہی۔ بارش اگرچہ سب کیواسطے ہی مگر کُل روئے زمین پر ایک ہی وقت نہیں
ہوتی۔ اور نیّر اعظم بھی پورے دن تک روشن ہوتا چلا جاتا ہی۔ ایسا کہ اُسکی گردش میں ظاہر
تدریج ہی۔ جب ایک ملک میں پو پھٹتی ہی تو دوسرے میں نصف النّہار کی نوبت ہوتی ہی پھر ہر شی
جاندار خردسالی اور جوانی اور پیری کی حالت دیکھتی ہی۔ اور ایک لخت اپنے کمال کو نہیں
پہونچتی۔ پھر انسان کی روحانی ترقی میں کوئی انسان یک لخت کامل نہیں ہو جاتا مگر رفتہ رفتہ
حاصل کرتا ہی۔ پھر یہہ ترقی ہر قوم میں یک لخت یکساں کامل نہیں ہوتی۔ اگر اعتراض کا خیال کریں
تو چاہئے کہ یہہ ترقی یک لخت عام ہو جاوے۔ مگر فی الواقعی ایسا نہیں ہی۔ ایک قوم سے دوسری

قوم بہ تدریج مستفید ہوتی ہے۔ تاریخ اور زمانہ رواں ہمارے قول کے گواہ ہیں۔ اب روحانی ترقی نیچر کی ضروریات میں سے ہے۔ جس طرح ایک قوم کے لئے ضرور ہے اُسی طرح دوسری کے لئے ہے۔ اِس میں ہم زمان کُلّیت کیوں موجود نہیں۔ یہہ انتظام نیچر کیوں بہ تدریج ہے۔ اگر یہہ ایسا ہے تو الہام پر عمومیت کی ضرورت کا حرف کیوں عاید کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ نیچر اور الہام دونوں خدا کے ہیں اور اگر دونوں میں موافقت پائی جاوے تو عیب نہیں حُسن میں داخل ہوگا۔ پس الہام کا اثر بھی رفتہ رفتہ ہوتا ہے ایک قوم سے دوسری کو۔ دوسری سے تیسری کو۔ حتّٰی کہ آج قریباً ہر قوم کو اُس سے فیض پہنچ رہا ہے۔ برہمو اور نیچری کہیں باہر نہیں ہیں +

دوم اعتراض ۔ محض عقل کے پیرو یہہ کہا کرتے ہیں کہ الہام اور اُسکا کل انتظام عقل کے برخلاف ہے اور اِسلئے قابل تسلیم نہیں اِس اعتراض کی تفصیل یوں ہوگی (۱) وہ باتیں جو عقل دریافت کرے یا کرسکے وہی عقل کے مطابق ہونگی۔ اور جو باتیں عقل دریافت نہ کرسکے وہ عقل کے برخلاف ہونگی (۲) جن باتوں کی تفہیم کا فہم انسان میں نہ ہو یعنے جو باتیں عقل کی سمجھ میں نہ آیں وہ عقل کے خلاف ہونگی۔ اگر یہہ تفصیل درست نہیں تو پھر کسی بات کو عقل کے برخلاف کہنے کے کیا معنے ہیں۔ یونہی خواہ نخواہ تو کوئی بات عقل کے مطابق یا مخالف نہیں ہوسکتی +

مگر ہمارے نزدیک کوئی بات عقل کے مطابق یا مخالف تب ہوتی ہے جب کسی بات کی نسبت جو ثابت ہو یا قوی ثبوت رکھتی ہو یا قابل ثبوت ہو عقل فیصلہ کرلیوے اور اُس کی صداقت یا بطالت کی قایل ہوجاوے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ ہر بات یا صداقت کی صورت یا ماہیت وہ اپنے میں لئے ہوتی ہے اور اُس کی رو سے اپنے مطابق اور مخالف کا فیصلہ کرتی ہے۔ اور یہہ بھی درست نہیں ہے کہ کسی بات کا محض دریافت کرلینا خواہ وہ غلط ہی ہو۔ اور یا سمجھ سے باہر ہونا

خواہ وہ سچ ہی ہو عقل کے مطابق یا مخالف ہوگا۔ سو یہہ اعتراض کرتے وقت اِن جوابی باتونکا
بھی خیال رکھا چاہیئے۔ اور ذیل کی باتوں کو نگاہ رکھنے سے واضح ہوگا کہ الہام اور اُسکے
مقاصد عقل کے برخلاف نہیں ہیں بلکہ عقل کے تقاضی اور حاجت کے مطابق ہیں۔ اور اعتراض
مذکورہ کی ہر دو تفصیلیں بیکار ٹھہرینگی +

اولًا۔ معلوم ہو کہ جو مذہب خدا کو اپنا بانی ثابت کرتا ہو وہ نامعقول نہیں ہوسکتا۔ خدا
جو عقل کا بانی ہو بے عقلی کی باتیں نہیں کہہ سکتا۔ خدا جو کُل عالم میں سب سے عاقل اور عالم ہو نامعقول
الہام نہیں دیسکتا۔ پس اُسکا کہا اور کیا کیونکر عقل کے برخلاف ہوسکتا ہو۔ اور عقل خدا سے زیادہ
اور بہتر نہیں سوچ سکتی۔ اور کس اختیار و مقدور سے عقل کہہ سکتی ہو کہ خدا کے کام اور کلام میرے
برخلاف ہیں۔ اب الہامی مذہب خدا کو اپنا بانی ثابت کرتا ہو۔ اور اسلئے عقل کے برخلاف نہیں
ہوسکتا۔ اس حال میں لازم ہو کہ عقل ثابت کرلے کہ آیا خدا اسکا بانی ہو یا نہیں۔ اور یہہ نہیں
کہ اپنی رسائی کو اُسکا اندازہ بناوے +

ثانیًا۔ الہام بائبل میں ایسی صداقتیں یا حقیقتیں بہت ہیں جو عقل دریافت نہ کرسکتی تھی۔
مگر جب ظاہر کی گئیں تو اُس کی سمجھہ میں آسکتی ہیں اِس صورت میں اہل عقل کے دعوے مفصلہ بالا
قایم نہیں رہ سکتے۔ اِن میں سے ایک دوسرے کو غلط ٹھہراویگا۔ پس ایسی صداقتیں کیونکر عقل کے
برخلاف ہیں ؟ اِس سے وہ دونوں دعوے ضایع ہوتے ہیں۔ اور اُنہیں کی رو سے ثابت
ہو کہ اس حال میں الہام عقل کے مطابق ہی خلاف نہیں +

ثالثًا۔ چند ایک باتیں ہیں جنکا علم آنے پر بھی وہ سمجھہ سے باہر رہتی ہیں۔ اب دعووں مفصلہ
بالا کی روسے یہہ باتیں عقل کے برخلاف ٹھہرتی ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اُن باتونکو ما فوق العقل

کہتے شرم آتی ہے۔ الہام خود اُنہیں بھید کی باتیں کہتا ہے۔ جیسے خدا کا جسم میں ظاہر ہونا۔ مگر پھر بھی اگر عقل ہمیشہ ہر بات کو جو اِسکی سمجھ میں نہ آوے اپنے برخلاف کہتی ہے تو ہم بھی الہام کے بھیدونکو عقل کے برخلاف کہنا مان لینگے۔ اور اگر عقل ہمیشہ ایسا نہ کرتی ہے اور وہ بھی ازحد ضروری باتوں میں تو اہل عقل کا یہہ دعویٰ غلط اور خلاف عقل ٹھہریگا کہ جو باتیں عقل کی سمجھ میں نہ آویں وہ خلافِ عقل ہیں۔ ہم جانتے ہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ ایسے معترض خود بلا سمجھے ایسی صداقتوں کو مانتے ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں مثلاً وہ صداقتیں جو بدیہی ہیں ایسی عیاں ہیں کہ ثبوت سے ثابت نہیں ہوئیں۔ وہ نہیں بیان کر سکتے (اور ہم بھی نہیں) کہ روح اور جسم کے میل کی کیا کیفیت ہے۔ نہیں بتلا سکتے کہ ہمارے ارادہ کا ہمارے عضووں پر کیونکر اثر ہو جاتا ہے۔ خدا کی ماہیت کی بابت کچھ بیان نہیں کر سکتے۔ اور باتیں ہیں جنکی نسبت عقل کا یہی حال ہے۔ اب یہہ تو حقیقتیں ہیں اور اُنسے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اُنکی کیوں اور کس طرح کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ ایسی باتوں کو عقل کیا کہتی ہے۔ اگر نہیں سمجھ سکتی ہے تو اُنہیں اپنے برخلاف بھی نہیں کہتی ہے۔ اُسیطرح وہ بھید یعنے وہ باتیں جو الہام عقل کی سمجھ سے باہر بتلاتا ہے صداقتیں ہیں۔ پس لازم ہے کہ جو نام عقل قدرتی اسراروں کا رکھتی ہے وہی الہامی رازوں کا رکھے۔ مگر عقل کے برخلاف نہ کہے کیونکہ من جہہ بالا انتظام الہامیہ کو عقل کے برخلاف کہنا عقل کے خلاف ٹھہرتا ہے۔ پس چاہیئے کہ اُن باتونکو فوق الفہم مانیں کیونکہ ایسا کرنا عقل کی فطرت کے خلاف نہیں مطابق ہے +

رابعاً۔ جو باتیں فوق الفہم ہیں وہ عقل کی ایجاد نہیں ہیں اور نہ عقل ایسے امور کی موجد ہو سکتی ہے۔ لہٰذا الہامی بھیدوں کا فوق الفہم ہونا ہی درحقیقت اُن کی الٰہی صداقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ خدا کے سوائے کوئی اور فوق العقل باتوں کا بانی نہیں ہو سکتا۔ ان باتوں کی زیادہ تفصیل ہم کسی اور موقع پر کرینگے۔ بالفعل اسیقدر وجوہات پر کفایت کیجاتی ہے۔ یعنے ہم نظیروں

سے ثابت کر دینگے کہ الہام کی باتیں عقل سمجھ کے تسلیم کر سکتی ہے۔ اور عقل کسی صورت سے الہام کو اپنے برخلاف نہ پائیگی۔ برعکس اسکے نیچر کا شارح اور عقل کا مددگار پائیگی +

ناظرین پر واضح ہو کہ اب تک ہم نے عقل اور الہام کے دعووں پر بحث کی ہے۔ مگر اس بحث سے معلوم ہوا کہ الہام کے دعوے حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ یعنے وہ عقل کی کارگذاری اسکے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور عقل کے دعوے اپنی فرضی قوت پر ہیں۔ وہ صرف کہتی کہ میں یہہ کر سکتی ہوں میں وہ کر سکونگی۔ اگر عقل کا کوئی کامل اور متفق دفتر الٰہیات سطح زمین پر ہوتا تو الہامی دفتر کے ساتھہ اسکے متحد زور کا مقابلہ خوب اور سہل ہوتا۔ مگر چونکہ ایسا کوئی ایک دفتر عقل کے سوچوں اور نتیجوں کا نہیں ہے اسلئے اسکے باہم مخالف دفتروں ہی کیطرف رجوع کرنا پڑتا ہے +

تنبیہہ

اب ذرہ ٹھہر کر سوچیں کہ یہہ میلان طبیعت زمانہ کس کے برخلاف ہی اور کس بابت کی تجسس میں ہی؟ لاریب الہام بائبل کے برخلاف ہی اور صداقت کی متلاشی ہی۔ مقدم امر اُسکا ظاہری کام اور موخر اُس کی خیالی کوشش ہی۔ مگر اس میلان طبیعت میں ماسوائے متفرق قباحتوں کے دو بڑے خطرناک اور مشترکہ نقص ہیں۔ اول یہہ کہ آسمانی صداقت منکشف کو چھوڑ کر ہاں اُسنے مخالفت دکھا کر صداقت کی محض تلاش پر نازاں ہی۔ کیا ان فلاسفروں کو یہہ سمجھہ نہیں کیا اُنکی تمیز اسقدر بھی امتیاز نہیں کر سکتیں کہ صداقت جو بدون تلاش کے مل گئی بہتر ہی یا کہ اُسکی محض تلاش جبکہ وہ صداقت ہنوز بدست نہیں آئی؟ کیا صداقت کی محض تلاش قابل پسند اور مرغوب امر ہوسکتا ہی جس حال کہ اُس کی تحصیل کے لئے اختلافوں کی آگ اور غلطیوں کے پہاڑ اور خودغرضیوں کے دھارے اور جہالت کی جھاڑیاں وغیرہ وغیرہ انسان کیواسطے سدراہ ہیں؟ انسان کے لئے تو صداقت گویا ان مشکلاتوں کے پھیرے میں ہی۔ اس حال میں صداقت مظہور کے بجاے صداقت کی محض تلاش کے درپے ہونا کونسی عقل ہی؟ ایسے میلان کے برخلاف ہمارے لئے الہامی تنبیہہ یہہ ہی کہ ہم آگے کو لڑکے نہ رہیں کہ تعلیم کی مختلف ہواؤں سے اور آدمیوں کی پیچ بازی اور گمراہ کرنیوالے منصوبوں کے باندھنے میں اُن کی دغابازی سے موجوں کی طرح اُچھلتے بہتے پھریں۔ بیشک اے ہندوستان! اٹھہ

راہِ صداقت کو چھوڑ نا جسکی جھنڈیاں آدم کے وقت سے اِس زمین پر لگیں یہانتک کہ وہ راہ صاف اور سیدھی ہوگئی وہ پہاڑ اور جھاڑیاں وغیرہ درست کیئے گئے اور ہر ایک نشیب اونچا کیا گیا اور ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ناہموار جگھیں ہموار کی گئیں ایسا کہ مسافر اگرچہ ناواقف ہوویں اُس میں گمراہ نہیں ہوتے۔ تیرے لئے ای ہندوستان بہتر نہیں ہی! تیرے فلاسفر فلاسفر نہیں لڑکے ہیں اور سچائی کی صحیح فلاسفی سے تجھے گمراہ کرتے ہیں۔ صداقت منکشف ہاں الہامی صداقت کے برخلاف اُنکے خیالات کی وہ حیثیت ہی جو تیار پختہ مکانوں کے مقابل میں لڑکوں کے مٹی کے گھروں کی ہوتی ہی جو وہ رستوں پر بناکر کھیلا کرتے ہیں ÷

دوم۔ بڑا نقص یہہ ہی کہ الہامی صداقتوں سے فیض اُٹھانا اور پھر بھی احسانمند نہ ہونا بلکہ اپنی ہی کو پیش کرنا۔ یونان کے حکیم حکمت کے لئے مشہور تھے اور قواے بشری کو ہر قسم کی حکمت کی تحصیل کا حاوی وسیلہ تصور کرتے تھے۔ اُس حکمت سے ہماری مراد اُن کی دینی فلسفی ہی۔ اُنکے وسیلہ سے اُنہوں نے کئی ایک باتیں بہت محنت اور فکر سے دریافت کی تھیں حتی کہ الہام کے ذریعہ سے کسی امر کا معلوم کرنا اُنکے نزدیک بیوقوفی میں داخل تھا۔ مگر دیکھو کہ وہ حکمت زمانہ حال کی حکمت کے آگے پاجی ہی۔ اُس حکمت کو حکمت تو کیا اگر فضا، تاریک کہیے تو بجا کہیے۔ ہمارے برادران سمجھتے ہیں کہ ہم بھی اب تک یونانی ہی ہیں اور اُن کی اور اپنی حکمت اور اُسکے سامان میں فرق نہیں دیکھتے۔ افسوس یہہ ہی کہ اُن حکما، کا انحصار تو زیادہ تر محض انسانی عام قوتوں پر تھا اور یہہ موجودات اُنکے مطالعہ کا صحیفہ تھا۔ مگر اِس زمانہ کے اور خصوصاً ہندوستان کے نوآموز حکما سمجھتے ہیں کہ ہم بھی اب تک اُنہیں کی سی حالت میں ہیں۔ اور اُس نور سے جو اُن کے گرد چمک رہا ہی اور جس سے اُن کی تجسس اور معلومات میں کسقدر صحت گویا سرایت کر گئی ہی دیدہ دانستہ

آنکھ بچاتے ہیں۔ الہامی صداقتوں سے فیض تو اُٹھاتے ہیں مگر بلحاظ خود پسندی کے ہادی اور ناصح کو یاد داشت ہی میں نہیں لاتے۔ یاد رہے کہ تنویر الہام ہی نے فضاء اخلاقیہ کو دوبارہ روشن کیا ہے اور وہ علم جو اِس حالت میں حاصل کر رہے ہو محض اپنی عقلی بصیرت کو منسوب نہ کرو پر اُس نور کا بھی احسان مانو جس سے قوت اور مدد مل رہی ہے۔ اور ہر شی کی صورت اپنا کمال اور جمال دکھانے پر گویا آمادہ ہو رہی ہے۔ یہہ کون ہیں جو آج کل صلاحیت اور نیکوکاری کا اور صحیح علم اخلاق کا چرچا کر رہے ہیں اور کوئی برہمو اور کوئی نیچری کہا جاتا ہے؟ یہہ الہام کے چور ہیں۔ ایسوں سے خبردار رہنا چاہیئے +

دوسرا مقصد

عیسویت اخلاقی قدرت ھے

انسان کی اخلاقی حالت مائل بہ بدی ھے اور اسلئے عمل کی قدرت نہیں پھر اخلاقی نیکی کیونکر کرے

جس طرح جسمانی مرض کو پہچاننے سے علاج کی سہولت و ضرورت ہوتی ہے اسیطرح مرض گناہ کی حقیقت دریافت کرنے سے اسکے مناسب علاج کا تدارک ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس مرض کی حقیقت دریافت نہ ہووے تو لوگ اُن باتوں کو گناہ ٹھہراویں جو حقیقت میں گناہ نہیں ہیں۔ اور جو گناہ نہیں اُنہیں گناہ تصور کریں۔ یہی انسان میں اختلافِ عملی کا سبب ہے۔ اور اسی دھوکھے میں لوگ بُروں کو نیک کہتے اور مانتے ہیں۔ پس معلوم کرنا چاہیئے کہ :-

گناہ کسکو کہتے ھیں ؟ کیسے فعل کو فعل بد کہینگے ؟ اس امر پر دنیا کے

مذاہب کا اتفاق نہیں ہے۔ بالفعل ہم اُس کی الہامی کیفیت بیان کرتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہے +

(۱) خدا کی شریعت سے ہر ایک ناموافقت اور اُسکا ہر ایک عدول گناہ ہے۔ وہ شریعت خواہ باطنی ہو خواہ ظاہری۔ یعنے خواہ انسان کے باطن میں ہو اور خواہ الہام سے تحریری لفظوں میں ظاہر کی گئی ہو۔ جسمانی مزاج خدا کا دشمن ہے کیونکہ خدا کی **شرعیت** کے تابع نہیں اور نہ ہو سکتا (نامہ رومیوں کو ۸ : ۷) ہر ایک جو گناہ کرتا ہے سو خلاف شرع کرتا ہے (ا یوحنا ۳ : ۴) کیونکہ گناہ خلاف شرع ہے۔ پھر جہاں شریعت نہیں وہاں نافرمانی نہیں۔ وہاں گناہ گنا نہیں جاتا (رومیوں ۴ : ۵ اور ۵ : ۱۳) اِس سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ خدا کی شریعت کو عدول کرنے کا نام گناہ ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے گناہ کی حقیقت کی بابت لکھا ہے کہ وہ خدا کے حکم کی نافرمانی تھی (کتاب پیدایش ۲ : ۱۶ و ۱۷ اور باب ۳) نامہ رومیوں باب ۵ میں ہے کیونکہ جیسے ایک شخص کی نافرمانبرداری سے بہت لوگ گنہگار ٹھہرے ویسے ہی ایک کی فرمانبرداری کے سبب بہت لوگ راستباز ٹھہرینگے +

اور یاد رہے کہ جیسا ہم نے پہلے کہا شریعت صرف ظاہری نہیں باطنی بھی ہے اور وہ بھی خدا کی طرف سے ہے اور الہامی کے موافق زور رکھتی ہے۔ اسکے اثر کے ضایع ہونے کے سبب سے ظاہری یعنے الہامی شریعت دی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ غیر قومیں جو شریعت نہیں رکھتیں اگر طبیعت سے شریعت کے کام کرتی ہیں سو وہ شریعت نہ رکھتے ہوئے اپنے لئے آپ ہی اپنی شریعت ہیں۔ وے اُس کام کو جس سے شریعت کا مقصد ہے اپنے دلوں میں لکھا ہوا دکھاتے ہیں اُنکی تمیز بھی گواہی دیتی اور اُنکے خیال آپسمیں الزام دیتے یا عذر کرتے ہیں (رومیوں ۲ : ۱۴ و ۱۵) اِس سے ظاہر ہے کہ انسان خدا کی شریعت کے تابع ہے اسکی فرمانبرداری انسان پر فرض ہے اور نافرمانی گناہ ہے۔

(۲) جب معلوم ہوگیا کہ گناہ کیا ہے تو پھر معلوم کرنا چاہئے کہ خدا کی شریعت کی نافرمانی یعنے گناہ کے نتایج کیا اور کیسے ہیں یعنے اُس شریعت کے عدولی کے عمل کیسے ہیں۔ اور اِس نافرمانبرداری کا مخرج کیا ہے۔ اب اسکی نسبت الہامی بیان یہہ ہے کہ قدیم میں طوفان سے پہلے خداوند کو بنی آدم کی اخلاقی حالت یوں نظر آئی جیسا کتاب پیدایش ۶ : ۵ میں مرقوم ہے اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر آدمیوں کی بدی بہت بڑھ گئی اور اُنکے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بدہی ہوتے ہیں۔ اور بعد طوفان کے خدا کے نبی طرح بطرح اِس بات کا بیان کرتے ہیں۔ ایوب ہی کی کتاب میں لکھا ہے کہ انسان کون ہے کہ پاک ہوسکے اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا کیا ہے کہ صادق ٹھہرے ؟ دیکھ اُسنے اپنے قدسیوں کا اعتبار نہ کیا اُس کی آنکھوں میں آسمان بھی پاک نہیں تو گھنونے اور ناپاک آدمی کا کیا ذکر جو بدی کو پانی کی مانند پیتا ہے۔ ۱۵ : ۱۴-۱۶ زبور کی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا آسمان پر سے بنی آدم پر نظر کرتا ہے تا دیکھے کہ کوئی دانشوالا یا کوئی خدا کا طالب ہے ہر ایک اُن میں سے گمراہ ہوا۔ وے سب کے سب بگڑ گئے کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں ۵۳ : ۲ و ۳ اور نامہ رومیوں ۳ : ۱۰-۱۲۔ اقوال مذکورہ انسان کے فرایض الٰہی کی نسبت میں مگر انکے باہمی سلوک کا بھی ویسا ہی بدحال لکھا ہے۔ اُن کا گلا کھلی ہوئی گور ہے۔ اُنھوں نے اپنی زبان سے فریب دیا ہے۔ اُنکے ہونٹھوں میں سانپوں کا زہر ہے۔ اُنکے مُنھہ میں لعنت اور کڑواہٹ بھری ہیں۔ اُن کے قدم خون کرنے میں تیز ہیں۔ اُن کی راہوں میں تباہی اور پریشانی ہے۔ اور اُنھوں نے سلامتی کی راہ نہیں پہچانی اُن کی آنکھوں کے سامنے خدا کا خوف نہیں۔ رومیوں ۳-۱۳-۱۸ - دل سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے وہ نہایت فاسد ہے یرمیاہ ۱۷ : ۹ - کیونکہ اندر یعنے آدمی کے دل ہی سے بُرے اندیشے زناکاریاں۔ حرامکاریاں قتل۔ چوریاں

لالچ ۔ بدی ۔ مکر ۔ سستی ۔ بدنظری ۔ کفر ۔ شیخی ۔ نادانی نکلتی ہیں وغیرہ انجیل مرقس ۷ : ۲۱-۲۳ +

(۳) ۔ انسان کیوں ایسے نالایق کام کرتا ہے ؟ اسکے دو سبب معلوم ہوتے ہیں (ا) یہہ کہ انسان کی اخلاقی حالت بچپن ہی سے گناہ آلودہ حالت ہے ۔ طوفان کے بعد خدا نے آدم زاد کی بنسبت یوں فرمایا ۔ کہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے بُرا ہے پیدایش ۸ : ۲۱ ۔ ایوب لکھتا ہے کہ وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک نکلتا ہے ۲۵ : ۴ ۔ داؤد لکھتا ہے کہ دیکھہ میں نے بُرائی میں صورت پکڑی اور گناہ کے ساتھہ میری ماں نے مجھے پیٹ میں لیا زبور ۵۱ : ۵ ۔ بچپن میں ہی ایسے ہونے کا کیا سبب ہے یہہ کہ جسطرح ایک شخص کے وسیلہ گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اسیطرح موت سب میں پھیلی کہ اُس میں سب نے گناہ کیا ۔ نامہ رومیوں ۵ : ۱۲ ۔

(ب) دوسرا سبب ایسے کام کرنے کا یہہ ہے ۔ کہ بنی آدم کا دل اُن میں بدکاری پر بہ شدت مائل ہے (واعظ ۸ : ۱۱) سب کے سب اپنی جسمانی شہوتوں کے ساتھہ زندگانی گذرانتے اور تن اور من کی خواہشیں پوری کرتے تھے ۔ اور دوسروں کی مانند طبیعت سے غضب کے فرزند تھے ۔ نامہ افسیوں ۲ : ۳ +

یاد رہے کہ انسان کی اخلاقی حالت کو گناہ سے بگڑی ہوئی حالت قرار دینے سے اور با لوجہہ بالا بدی کی طرف مائل ثابت کرنے سے ہمارا یہہ مطلب نہیں کہ روح کی قوتیں برباد ہوگئیں ہیں ۔ بلکہ یہہ کہ وہ قوتیں تو ہیں مگر خراب ہوگئی ہیں ۔ اُنکا میلان گناہ کی طرف ہوگیا ہے ۔ یعنے وہ ایسی ہوگئی ہیں کہ خدا کی شریعت پر عمل کرنا اچھا نہیں لگتا مگر عدولی دل پسند ہے مثلاً جب کہا کہ دل نہایت فاسد ہے تو دل تو ثابت ہے مگر فاسد ہے ۔ اور جب کہا کہ تن اور من کی خواہشیں پوری کرتے ہیں تو تن اور من تو برقرار ہیں مگر اُن کی خواہشیں ناپسندیدہ ہیں +

پس معلوم ہوا کہ خدا کے حکموں کی عدولی گناہ ہے۔ اور اس گناہ کا مخرج انسان کا دل ہے۔ اور دل کے نافرمان ہونے کا موجب احکام الٰہی پر عمل کرنے کی عدم خواہش ہے جسکا نتیجہ عدم تعمیل ہے۔ اسباب کا مفصل ذکر تھوڑی دیر میں آویگا ٭

دوم۔ تواریخ اور تجربہ الہامی بیان کی تائید کرتے ہیں۔ اولاً ہر زمانہ اور ہر ملک کی حکومتوں کو دیکھو۔ اور کہو کہ دنیا کی حکومتیں کا سکے واسطے ہیں۔ قوانین تعزیر کس بات کا ثبوت ہیں؟ انسان کی نیکوکاری کا یا بدی کا؟ ہر ایک انسان کے ذاتی حقوق کا بیان کرنا اور اُنکے قایم رکھنے کے لئے اور ضائع ہونیکے برخلاف قانون بنانا اور سزا دینا اسبات کو ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی طبیعت خراب ہے جو ہمیشہ ایک کو دوسرے کے حقوق پر دست اندازی کرنے کے لئے مائل کرتی ہے اور اپنے فائدے اور حفاظت کے لئے متحرک کرتی ہے۔ ملکی حکومت دنیا کے ہر ملک میں ہے۔ اور ہر ایک میں بھلے یا بُرے قانون مطالب مذکورہ کے ادا کرنے کے لئے مروج ہوتے ہیں۔ بنی آدم خود ہی اپنی بدطبیعت اور بدکاموں کو روکنے کے لئے ایسی تجویز کرتے ہیں اور یوں اپنی بگڑی ہوئی طبیعت اور بُرے کاموں پر گواہی دیتے ہیں۔ اِس سے صریح اقبال دعوی اور کیا ہو سکتا ہے اور زیادہ تحقیق کرنے سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ لڑکپن ہی میں بدی کی طرف میلان ظاہر ہونے لگتا ہے ٭

جب معلوم ہوگیا کہ انسان کی اخلاقی حالت مائل بہ بدی ہے تو یہ سوال لازماً دل میں جوش مارتے ہیں کہ (۱) جس حال سب انسانوں کی یہی حالت ہے تو اس حالت کو بدلنے کی کیا ضرورت ہے کیا یونہی اچھے نہیں؟ (۲) کیا انسان میں عمل اخلاق کی طاقت نہیں؟ اگر نہیں تو یہ نیکی طاقت کس بات میں ہے؟ سو اصل مطلب کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ان باتوں پر غور کرلیں ٭

(۱) پہلی بات کی نسبت معلوم ہو کہ موجودہ خراب حالت کو بدلنے اور بدلنے والی قدرت کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اوّل اِسلئے کہ اخلاقی اور روحانی ترقی کا نتیجہ پاکیزگی ہے اور پاکیزگی موجب حیات ہے۔ بغیر اِسکے خداوند کو کوئی نہ دیکھیگا۔ عبرانیوں ۱۲ : ۱۴۔ ہاں اِسلئے ضرور ہے کہ اگر کوئی سرنو پیدا نہ ہو تو وہ خدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا۔ یوحنا ۳ : ۳۔ دوم اِسلئے ضرورت ہے کہ انسان کی اصلی حالت پاکیزگی ہے اور گناہ ایک موروثی اور تحصیلی مرض ہے طبیعت اول نہیں مگر ایک عادت یا طبیعت ثانی ہے۔ اسلئے اپنی اصلی حالت پر آنا انسان کے لئے تقاضائے فطرت ہے۔ اور یہہ غلط بات ہے کہ انسان کی اصلی حالت گناہ اور وحشت والی ہے۔ اور موجودہ حالت پہلی حالت سے بہتر ہے۔ مُترقی حالت ہے۔ انسان کی موجودہ گناہ والی حالت کو موروثی حالت کہنے سے یہہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ یہی اسکی اصلی ذاتی حالت ہے ؞

اب اسبات کی کیونکر تمیز ہو سکے کہ گناہ انسان میں ایک مرض ہے اور اُس کی اصلی حالت نہیں کہ اسکی پہلی دلیل یہہ ہے کہ جو بات کسی جنس حیوان کی ذات کے متعلق نہیں وہ اسکے لئے نقصان اور رنج دہی کا باعث ہے ہاں یہہ ہو سکتا ہے اور ہے بھی کہ ایک جنس کی خو اور خواہشیں دوسری جنس کے لئے نقصان کا باعث ہوں مگر اس سے کچھ غرض نہیں اور غرض اسبات سے ہے کہ اُس کی اپنی جنس اور سرشت کے لئے نقصان کا باعث ہیں یا نہیں پس اگر کسی جنس میں وہ خو و خواہشیں پائی جاویں جو اُسکے لئے مُضر ہیں تو یہہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ وہ اسکی سرشت کے متعلق نہیں خدا کی طرف سے نہیں مگر ایک مرض ہے جو نسلاً یا تاثیر وبا سے لگ گئی ہے۔ ہاں ایک تحصیلی عادت ہو گی مثلاً سانپ کا زہر اگرچہ اوروں کے لئے مُضر ہے مگر اُس کی اپنی سرشت کے لئے خوب ہے مُضر نہیں۔ اسلئے وہ اُس میں اُسکے لئے کوئی مرض نہیں۔ اب خیال کرو کہ کیا گناہ

اسیطرح انسان کی اپنی سرشت کے لئے ضروری اور مفید ہو؟ یا نقصان اور رنج دہی کا باعث ہو؟
انسان میں گناہ والی خواہشیں کیا ہیں۔ بھیڑیا بکری کو مارتا اور کھاتا ہو۔ بلی چوہے مارتی
اور کھاتی ہو۔ باز اور شکرے اور پرندوں کو مارتے اور کھاتے ہیں۔ انکو سکھانا کہ خون نہ کرو
انکی فطرت کے برخلاف تعلیم ہوگی۔ کیونکہ ایسا کرنا خدا نے اُن کی سرشت میں ڈال دیا ہو۔
اُنکے لئے چاہیئے اور نہ چاہیئے کا قانون زور اور کمزوری ہو۔ زور آور کا حق ہو کہ کمزور کو
مارے۔ مگر انسان کی سرشت ایسی نہیں ہو اخلاقی ہو۔ وہ چاہیئے اور نہ چاہیئے کے قانون کے
پابند ہو۔ اُسمیں زور حق اور واجب کے مطیع ہو۔ ضمیر کا راج ہو۔ یاد رہے کہ انسان کی قدرتی
خواہشیں اپنے آپ میں بُری نہیں۔ اسکی سرشت کے لئے مفید ہیں مگر گناہ کی تاثیر اُنہیں بُرا
کر دیتی ہو۔ اُنہیں خون کی پیاسی کر دیتی ہو۔ خون اور چوری اور جھوٹھ اور بد شہوت وغیرہ
ظہور میں آتے ہیں۔ اور یہہ اُس کی سرشت کے لئے مُضر ہیں۔ دوسرونکے حق میں دست اندازی
ہو۔ اور اپنی جان اور نفع کا نقصان ہو اسلئے گناہ انسان میں بمنزلہ مرض کے ہو نہ اصلی فطرت
کا تقاضا۔ کیونکہ وہ اُس کی قدرتی خواہشوں کو جو اپنے آپ میں بھلی ہیں دایرہ واجب سے غیر واجب
میں لیجاتا ہو۔ پس اِس مرض کو دور کرنا از حد ضروری ہو +

دوسری دلیل اِسبات کی کہ گناہ انسان میں ایک مرض ہو۔ اور ذاتی خصلت نہیں
یہہ ہو کہ وہ سب میں یکساں نہیں ہو۔ کم و بیش ہو۔ کسی میں ایک گناہ ہو دوسرے میں وہ نہیں کوئی
اور ہو تیسرے میں کچھہ اور۔ اگر قدرتی ہوتا تو سب میں یکساں ہوتا۔ ہر ایک گناہ ہر ایک
انسان میں ہوتا۔ جس طرح ہر ایک خواہشیں ہر ایک انسان میں ہو۔ قدرتی ہو۔ فرض کرو کہ
قوم انسانی مرض کوڑھ سے بیمار ہو جاوے اور یہہ مرض کسی کے سارے جسم پر نہو مگر کسی کے

ہاتھ اور کسی کے پانوں اور کسی کے مُنہہ پر ظاہر ہو تو اُس کی عدم یکسانی صریحًا ثابت کریگی کہ وہ برص انسان کی سرشت کی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ ایک مرض ہے۔ اسی طرح گناہ ہے۔ اُسکا حملہ تو انسان کی ساری اخلاقی سرشت پر ہے مگر ہر انسان پر یکسان نہیں ہے۔ کوئی ہے جو بد چلن ہے مگر دیانتداری اور سچ بولنے میں مشہور ہے۔ کوئی ہے جو نامی چور ہے۔ مگر سخی بڑا ہے۔ کوئی ہے جو اپنے ہمسائے وغیرہ کے ساتھ بیدریغ دغا کرتا ہے مگر اپنے گھر رانے میں صاف دلی سے سلوک کرتا ہے۔ کوئی ہے جو خون نہیں کرتا مگر چوری کرتا ہے۔ کوئی ہے جو اپنے لوگوں میں رحم دلی کے لئے مشہور ہے مگر باہر بے تاسف خون کرتا ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک گناہ بھی انسان کی اصلی فطرت کے متعلق نہیں ہے۔ اور ہر قسم اور ہر درجہ کا گناہ صرف ایک مرض ہے۔ اِسلئے ضرور ہے کہ ہر انسان اپنی اپنی مرض سے پاک ہونے کی تجویز ڈھونڈھے۔ تاکہ اپنی اصلی قدیمی حالت پر آوے +

تیسری دلیل اسبات کے ثبوت میں یہہ ہے کہ گناہ پر ضمیر فتویٰ دیتا ہے † جب باز کبوتر کو چیر ڈالتا ہے تو اُسکو اپنے کئے کا رنج نہیں ہوتا۔ بالکل خوش ہوتا ہے۔ اُس میں ایسا کوئی نہیں جو اُسکے فعل کے لئے ملامت کرے۔ مگر انسان کی اخلاقی نیچر میں ضمیر بادشاہ ہے۔ وہ اسکے فعلونکی پرسش کرتا اور اُسے ملامت کرتا اور اُسکے کاموں پر فتویٰ دیتا ہے۔ ہاں جب انسان کو اسبات کا علم آتا ہے کہ فلاں کام جو میں نے کیا ہے کرنا نہیں چاہئیے تھا تو وہ اس کئے گئے فعل سے پچھتاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہو اگر گناہ انسان کی فطرت کا خاصہ ہے۔ لیکن چونکہ یہہ انسان میں ایک غیر شے ہے اسلئے ضمیر ملامت کرتا ہے۔ اور اسلئے اُس سے بری ہونا ضروری امر ہے۔ اصلی فطرت کا تقاضا ہے +

---

† اِن پُرزور دلیلوں کے لئے راقم کتاب "Primeval man" کا مقروض ہے جس کے باب دس میں یہہ بات ثابت کی گئی ہے۔ راقم نے اِسکے خلاصہ کو اپنی طرز پر بیان کیا ہے +

(۲) کیا انسان میں عمل اخلاق کی طاقت ہی یا نہیں ؟ اگر ہی تو اور طاقت کی کیونکر ضرورت ہی اور اگر نہیں تو یہہ نفی طاقت کس بات میں ہی ؟ -

کیا انسان میں اخلاقی قوتیں ہیں ؟ ہم کہتے ہیں کہ بے شک ہیں کیونکہ اولاً اگر نہوں تو انسان کو اخلاقی عمل کی ہدایت کرنا بے انصافی میں داخل ہوگا اور اُسکو ترغیب دینا اسکی فطرتی حالت کے خلاف ہوگا - وہ کیونکر ایک کام کر سکتا ہی جس کے کرنے کی اس میں فطرتاً طاقت نہیں - اس حال میں اسکو عمل کرنے کا حکم دینا بے معنے ہوگا +

پھر نفی طاقت کس بات میں ہی - ظاہراً وہ اِسبات میں نہیں ہی کہ انسان میں قوتیں نہیں ہیں بلکہ انسان کی خواہشوں اور مرضی میں ہی - وہ نہیں چاہتا اِسلئے عمل نہیں کرتا - ارادہ اور خواہش انسان کے سب کاموں میں پہلا مُتحرک ہی - اگر کسی علم وہنر یا شی کے حاصل کرنیکی خواہش نہ ہو تو انسان اُنسے تا ابد بے نصیب رہیگا - وہ اُنہیں حاصل نہیں کر سکتا - اُن میں ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ ایسا کرے - لیکن ترقی کرنیوالی اور اکتسابی قوتیں تو اُسمیں ہیں مگر بیکار رہتی ہیں - اور پھر اگر کسی شی کا علم آبھی جاوے اور اگر خواہش اسکے مطابق عمل کرنے کی نہ ہو تو عمل ظہور میں نہ آویگا - یاد رہے کہ یہہ مرضی آزاد ہی - اور اِس آزادگی کے سبب انسان جدھر چاہتا ہی مائل ہو جاتا ہی - البتہ اُسے ایک نہ ایک طرف مائل کرنے کے لئے دوسری شی یا خیال ضرور ہیں - اور جس بات پر خواہش جمتی ہی اُس کے حاصل کرنے کا ارادہ کر لیتا ہی - لیکن اگر کوئی طاقت بیرونی یا اندرونی مانع ہو تو بھی عمل ظہور میں نہیں آتا - چند عرصہ کے لئے یا ہمیشہ کے لئے جیسا موقعہ ہو - پس جب تک مرضی اور طاقت دونوں نہ ہوں تب تک کوئی عمل نیک ہو خواہ بد وقوع میں نہیں آتا - مثلاً میں اپنے گھر کو آگ لگا سکتا ہوں

مگر نہیں چاہتا کہ ایسی حرکت کروں اسلئے ایسا فعل وقوع میں نہیں آتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے ہمسایے کے گھر کو آگ لگاؤں مگر یہہ خواہش پوری نہیں ہوتی کیونکہ یا تو اپنا جسم سست ہے اور یا ہمسائے میری خواہش کے مانع ہیں۔ لیکن انسان میں تو اخلاقی طاقتیں ہیں پھر نیکی کیوں نہیں کرتا؟ اس لئے کہ نہیں چاہتا۔ لہذا نفی طاقت انسان کی فطرتی ناقابلیت میں نہیں مگر اسکے نہ چاہنے میں ہے جو کہ اسکی مرضی کا ایک میلان ہے نہ کہ کسی قوت کا عدم وجود +

ثانیاً۔ یہہ بات بعید الحقیقت ہے کہ انسان میں فطرتی طاقتیں نہیں ہیں۔ اسکا برخلاف فی الواقعی ہے۔ دیکھو جو بات انسان سے مطلوب ہے اسکے کرنے کے لئے سامان بھی دیا گیا ہے۔ کیا سبب ہے کہ کتوں اور گیدڑوں اور چڑیوں اور کوؤں سے نہ تو آسمان اور نہ زمین اخلاقی علم طلب کرتے ہیں۔ وہ عمل جو انسان میں بداخلاقی کے متعلق ٹھہرائے جاتے۔ اور اُنکے لئے سزا تجویز ہوتی ہے ویسے ہی عمل حیوانوں میں اُن کی فطرت کا تقاضا۔ انکے خالق کی مرضی قرار دئیے جاتے ہیں۔ کیا سبب ہے؟ یہہ کہ اُن میں اخلاقی قوتیں نہیں ہیں کہ نیک و بد کی تمیز کریں اور بموجب اسکے عمل کریں۔ مگر انسان سے اخلاقی عمل مطلوب ہے اسلئے کہ اُسے اخلاقی قوتیں دی گئی ہیں۔ پس جبحال کہ قوتیں ہیں تو طاقت بھی ہے۔ وہ نیکی یا بدی کر سکتا ہے +

پھر نیکی کرنے کی ناقابلیت کہاں ہے نیکی کیوں نہیں کرتا اور بدی کیوں کرتا ہے؟ یہہ ناقابلیت اُس کی مرضی میں ہے وہ نہیں چاہتا۔ اسکی یہہ خواہش نہیں کہ نیکی کرے اور بدی کرنی چاہتا ہے۔ جب تک یہہ خواہش قایم رہے تب تک وہ بدی میں دائیم رہتا ہے۔ ذرہ غور کرو کہ جب چور کو کہیں کہ چوری نہ کر اور زانی کو کہ زنا نہ کر تو اسکے کیا معنے ہیں؟ یہی کہ اپنی خواہشوں کو اس کام سے باز رکھ اور یہہ نہیں کہ اپنے ہاتھ اور آنکھ اور آلۂ شہوت کو نکال دے۔ اگر ایسے شخص اپنے اُن کاموں

سے باز آجاویں تب بھی تو وہ آلات قوت قایم رہتے ہیں۔ غرضکہ نیکی کرنے اور بدی کرنے میں قوتیں یکساں قایم رہتی ہیں۔ صاحب عنان ارادہ ہی جدھر گھماوے اُدھر ہی گھوم جاتی ہیں۔ اور بھی دیکھو کیا بت پرست میں خداپرستی کی طاقت نہیں کیوں؟ کیا اپنی جن طاقتوں سے بت پرستی کرتا ہی خداپرستی نہیں کرسکتا؟ بے شک طاقت ہی اور جن طاقتوں سے بت پرستی کرتا تھا اُنہیں سے خداپرستی کریگا۔ مگر کون اُسکی اِس طاقت کو روکتا ہی اس کی خواہش۔ اسکا ارادہ تبدیلی عبادت کا مانع ہی۔ ہاں وہ نہیں چاہتا کہ خداپرستی کرے۔ ایسی حالت میں ضرور ہی کہ نیکی کی طرف سے انسان کے ارادے اور خواہش پر ایسا زور پہونچے کہ بدی کو ناپسند کرنے لگے اور نیکی کی طرف ہو جاوے۔ وہ چیز جو یہہ کراوے ہم اُسے انسان کے لئے **اخلاقی قدرت** کہینگے +

ثالثاً - بیان مذکورہ کی الہامی بائیبل سے بھی تصدیق ہوتی ہی۔ اِسکے رو سے بھی ظاہر ہی کہ انسان نیکی نہیں کرتا اور نہیں کرسکتا جب تک اُس کی خواہش نیکی کی طرف مائل نہ ہو اور بدی کو پسند کرتا ہی اس لئے بدی کرتا ہی۔ اور چونکہ مرضی کا آزاد ہی اِسلئے خدا بھی زبردستی اِس سے نیکی نہیں کرواتا۔ تاکہ اُس کی جوابدہی میں کسر نہ لگے +

(۱) پس از روئے بائیبل فطرتی ناقابلیت کن باتوں میں ہی +

خروج ۲۳ : ۲۰ - اور بولا تو میرا چہرا نہیں دیکھہ سکتا۔ اِسلئے کہ کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور جیتا رہے -

۲ سموئیل ۱۲ : ۲۳ - پراب تو وہ مرگیا پس میں کِسلئے روزہ رکھوں ؟ کیا میں اُسے پھر جلا سکتا ہوں ؟ -

اِنسان کی فطرتی ناقابلیت اِن باتوں اور اِس قسم کی باتوں میں ہو انسان کو یہہ دیا ہی نہیں گیا کہ وہ ایسے کام کرسکے۔ اور نہ اس سے مطلوب ہیں +

(۲) پھر از روئے بائبل اخلاقی قابلیت اور ناقابلیت کن باتوں میں قرار دی گئی ہو +

مرقس ۶: ۵ - اور وہ وہاں کوئی معجزہ نہ دکھلا سکا۔ سوا اسکے کہ تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھہ رکھہ کے اُنہیں چنگا کیا۔ اِسجا ناقابلیت خلاف مرضی کی بنا پر قرار دی گئی ہو۔ اور یہہ نہیں کہ اِسمیں معجزہ کرنے کی قدرت ہی نہیں تھی +

ایضاً ۱: ۴۰ - تب ایک کوڑھی نے آکے اُسکی منت کی اور گھٹنے ٹیک کر اُس سے بولا کہ اگر تو چاہے تو مجھے پاک کرسکتا ہو۔ یہاں قابلیت مرضی پر موقوف مانی گئی ہو +

یوحنا ۵: ۴۰ و ۴۴ - تم نہیں چاہتے کہ مجھہ پاس آو تاکہ زندگی پاؤ۔ تم کیونکر ایمان لاسکتے ہو۔ یہاں اُنکی فطرتی ناقابلیت پر اعتراض نہیں ہو مگر اُنکی عدم تعمیل کی بنا اُنکی خواہش پر رکھی گئی ہو ناقابلیت کی بنا خلاف مرضی ہو۔ کیوں نہیں آسکتے؟ اِس لئے کہ نہیں چاہتے +

یوحنا ۳: ۲۰ - جو کوئی بُرائی کرتا ہو وہ نور سے دشمنی رکھتا ہو اور نور کے پاس نہیں آتا ایسا نہو کہ اُسکے کام ظاہر ہوویں۔ نور کے پاس کیوں نہیں آتا۔ اِسلئے نہیں کہ آنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ اِسلئے نہیں آتا کہ نہیں چاہتا کہ اِسکے کام ظاہر ہوویں یہاں بھی ناقابلیت نہ چاہنے کی بنا پر ہو +

متی ۲۳: ۳۷ - اے یروسلم اے یروسلم! جو نبیوں کو مار ڈالتی اور اُنہیں جو تجھہ پاس بھیجے گئے پتھراؤ کرتی ہو میں نے کتنی بار چاہا کہ تیرے لڑکوں کو جسطرح مرغی

اپنے بچّوں کو پروں تلے اِکٹھے کرتی ہی جمع کروں پر تم نے نہ چاہا۔ لوگوں کی
بھلائی اور سلامتی کی طرف نہ آنا ناداری طاقت پر نہیں مگر نچاہنے کی وجہہ سے تھا +
۱ قرنتیوں ۲: ۱۴ ۔ مگر نفسانی (یا نیچری) آدمی خدا کی روح کی باتوں کو نہیں قبول کرتا کہ وے
اُسکے آگے بیوقوفیاں ہیں ۔ اِسکے بھی یہہ معنے نہیں کہ انسان میں سے
فطرتی قوتیں ضایع ہوگئی ہیں اِس لئے خدا کی باتوں کو قبول نہیں کرتا
لیکن میلان بد اور بُرے اصول نیچری انسان کی مرضی اور خواہش کو
ایسا کئے ہوئے ہیں کہ وہ خدا کی باتوں کو مطیع ہونا نہیں چاہتا
اور خواہشوں کے اس میلان کے سبب وہ اُسے بیوقوفیاں معلوم ہوتی ہیں +
(۳) بائیبل میں ایسے حکم ہیں جنسے معلوم ہوتا ہو کہ انسان میں اخلاقی قوت مانکر وہ حکم
دئے گئے ہیں ۔ اور اسباب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہو کہ انسان اُنہیں ماننا چاہتا ہو یا نہیں ۔
خواہ چاہے خواہ نہ چاہے ۔ دیکھو لوکا ۶: ۲۷ ۔ ۳۶ و ۴/۷ ۔ یسعیاہ ۱: ۱۶ و ۱۷ ۔ خدا کی
طرف سے ایسے حکموں کا دیاجانا اُس حال میں نازیبا ہوتا اگر انسان میں اخلاقی طاقت نہوتی
مگر چونکہ عمل کے مانع انسان کی مرضی ہو اِسلئے اسکو مکرر سہ کرر حکم فرمانا ضروری ہو تا کبھی نہ کبھی
مائل ہو ۔ اور بدی سے باز آوے ۔ الحاصل اخلاقی ناقابلیت خلاف مرضی یا ناچاہنے میں ہو +
ہمارے بیان پر یہہ اعتراض ہوگا کہ گناہ کے سبب انسان کی عقل تاریک ہوگئی ہو ۔ اُسکی
مرضی اُلٹ گئی ہو اِسکا ضمیر خراب ہوگیا ہو اور خواہشیں بگڑ گئی ہیں اِسلئے وہ خدا کی شریعت
کی اطاعت کرنے کے لئے ویسا ہی ناقابل ہو جیسا جھولے کا مارا ہوا اُٹھنے اور چلنے کے ۔ اگر
انسان نیکی کرنا چاہے بھی تو بھی نہیں کرسکتا ۔ نہ کرسکنا اُس کی مرضی پر موقوف نہیں مگر ایک

ناقابلیت بجائے خود ہی۔ اِسوجہہ سے کہ گناہ کا اثر لڑکپن سے ہی پیشتر اِس سے کہ انسان اپنی مرضی کے موافق کام کرے اُسکی طبیعت گناہ آلودہ ہی۔ وہ اپنی مرضی سے گناہگار نہیں ہوتا مگر اپنی مرضی کے موافق کرنے سے پہلے گناہگار ہی۔ اور اِس لیئے اخلاقی ناقابلیت اُس کی مرضی پر موقوف نہیں لیکن فطرتی ہی۔ رسول بھی اسکے موافق لکھتا ہی کہ خواہش تو مجھہ میں موجود ہی پر جو کچھہ اچھا ہی کرنے نہیں پاتا۔ کہ نیکی جو میں چاہتا ہوں نہیں کرتا۔ بلکہ وہ بدی جسے میں نہیں چاہتا سو ہی کرتا ہوں۔ نامہ رومیوں ۷ : ۱۸ و ۱۹۔ پھر جسم کی خواہش روح کے مخالف ہی اور روح کی خواہش جسم کے مخالف۔ اور یہہ آپس میں برخلاف ہیں۔ یہاں تک کہ جو کچھہ تم چاہتے ہو سو نہیں کر سکتے (نہیں کرتے صحیح ہی) نامہ گلتیوں ۵ : ۱۷ غرضکہ مرضی اور ناقابلیت جدا ہیں +

اِس اعتراض کے کبرا و صغرا کو میں مان لیتا ہوں مگر اُس کے نتیجہ کی صحت پر کلام ہی۔ چنانچہ مرضی کے استعمال سے پہلے گنہگار حالت میں ہونا یہی ہی کہ بدی کی طرف میلان یا رغبت نسل سے چلا آتا ہی۔ اور لڑکپن ہی سے مرضی کا میلان بدی کی طرف ظاہر ہوتا ہی۔ اور اِسلیئے انسان نیکی نہیں کرتا نہیں کر سکتا۔ اور پھر عقل کا تاریک ہونا ضمیر کا خراب ہونا مرضی کا اُلٹ جانا گناہ کا نتیجہ ہی نہ کہ موجب۔ انسان میں گناہ کے آنے کی موجب مرضی ہی خواہ لڑکپن سے بدی کیطرف مائل ہو خواہ بلوغت میں۔ وہ مرضی ایسی ناقابل ہوگئی ہی کہ نیکی کیطرف نہیں جھکتی۔ جسمانی خواہشیں ہر حالت میں اُسکو اپنی طرف مغلوب رکھتی ہیں۔ ہاں جنم ہی سے اُن کی مغلوب ہی۔ پس ناقابلیت مرضی میں ہی نہ کہ کسی اخلاقی قدرت کے فطرتاً نہ ہونے میں +

وہ آیتیں جو اعتراض میں پیش کی گئی ہیں خصوصاً مسیحی ایمانداروں کی نسبت ہیں جنکو

خدا نے اپنے فضل سے عرفان بخشتا ہے۔ اُن میں روح کی خواہش نیکی کو چاہتی اور جسم کی خواہش بدی کو۔ گویا دونوں میں لڑائی ہے۔ روح کی خواہش نیکی کو چاہتی ہے اور بدی کو نہیں چاہتی۔ اور جسم کی خواہش جو ہنوز باقی رہتی ہے بدی کو چاہتی ہے اور نیکی کو نہیں چاہتی۔ مگر پھر بھی جسم کی خواہش غالب ہو جاتی ہے حتّٰی کہ ایماندار بھی جو نیکی چاہتے ہیں نہیں کرتے بلکہ جو بدی نہیں چاہتے وہی کرتے ہیں۔ اِن آیتوں میں رسول کی گفتگو ہی مرضی پر ہے۔ اور یہہ آیات ہمارے ہی مطلب کو مُفید ہیں۔ علاوہ اسکے نیچری انسان میں بھی ضمیر اور بد خواہشوں کے درمیان گویا تکرار ہوتا ہے ضمیر کی صدا بدی کے برخلاف ہے اگرچہ خواہش کے دبدبہ میں اُس کی بہیں سُنی جاتی۔ مرضی ضمیر کی نہیں سُنتی مگر خواہشوں کی۔ چنانچہ شریر اور بدکار لوگ اکثر اوقات راستی اور فیاضی کے کام کرتے ہیں۔ اور نیکی کی باتیں سکھلاتے ہیں۔ جیسے ظاہر ہے کہ وہ خود چاہتے ہیں اور اَوروں کو بھی مائل کرتے ہیں کہ بدی نہ کریں مگر پھر بھی کرتے ہیں اور جو نیکی چاہتے ہیں سو نہیں کرتے +

پھر میں پوچھتا ہوں کہ آدم اور حوّا میں بھلائی کرنے کی قدرت تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تو یاد رہے کہ جس کام کے لئے خدا نے انسان کی فطرت میں قوّت نہ دی وہ اُس سے مطلوب ہی نہیں یعنے نیکی انسان سے مطلوب نہ تھی۔ مگر ایسا کہنا بطالت پر مبنی ہے۔ پر اگر ماننا چاہوے اور ماننا ہی پڑتا ہے کہ اُنمیں یہہ قدرت تھی تو پھر اُنہوں نے گناہ کیوں کیا حالانکہ طاقت نیکی کرنے کی رکھتے تھے؟ اُن کی نسبت اخلاقی ناقابلیت کا انحصار کس بات پر ہوگا۔ اُن کی ذاتی اخلاقی ناقابلیت پر یا مرضی پر؟ بےشک مرضی پر۔ اور اُن ہی سے اِس مرضی کا گناہ کے مغلوب ہونا نسلاً آیا ہے ایسا کہ جب چاہیگی تو بدی ہی کو چاہیگی لڑکپن ہو خواہ جوانی۔ پس میں کہتا ہوں کہ جس طرح اُن میں بھلائی کی طاقت تھی مگر گناہ کیا اسیطرح تب سے اب تک انسان میں طاقت ہے کہ بھلائی کرے

یا بُرائی مگر بدی ہی کرتا ہے۔ پس معلوم ہو کہ جسمانی اعضا کے ذریعہ سے بیرونی چیزوں کا علم آتا ہے اور پھر ایک نہ ایک چیز کے لئے خواہش اُٹھتی ہے۔ اور دو خواہشوں میں سے جو مرضی کو اپنی طرف مایل کرے اُسکے پورا کرنے کے لئے انسان ارادہ کرتا ہے۔ مگر گناہ ہمیشہ مرضی کو اپنی طرف کرتا ہے اسلئے انسان ہمیشہ بدی کرتا ہے۔ اور نیکی کی خواہش مغلوب رہتی ہے اسلئے نہیں کرتا۔ الحاصل ظاہر ہے کہ ناقابلیت مرضی میں ہے +

اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرنے کے لئے تیار ہیں اور اُسکو دو سوالوں میں پیش کرتے ہیں +

اوّل۔ یہہ کہ جبحال میں اخلاقی ناقابلیت کا مدار مرضی کے یکطرفہ میلان پر ہے تو کیا اِس مرضی کا تبدیل ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ ہم یقیناً کہتے ہیں کہ جسطرح اُس کا بدی کی طرف مایل ہونا ممکن ہے۔ اُسی طرح اُسکا نیکی کی طرف بھی مایل ہونا ممکن ہے۔ یہانتک ممکن معلوم ہوتا ہے کہ یہہ خواہشیں جنم اور کرم سے نیکی کی طرف مایل ہوا کریں۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ بدی کی رغبات کی نسبت نیکی کی طرف زیادہ تر قوی رغبت دلائی جاوے تاکہ وہ نیکی کو پسند کرے۔ بائیبل بھی یہہ تبدیلی ممکنات میں ٹھہراتی ہے۔ خداوند کہتا ہے اگرچہ تمہارے گناہ قرمزی ہوں برف کی مانند سفید ہونگے یسعیاہ ۱: ۱۸ مسیح کا لہو تمہارے دلوں اور عقلوں کو مُردہ کاموں سے پاک کریگا۔ نامہ عبرانیوں ۹: ۱۴۔ اگر ممکن نہوتا تو ایسا نہ کہا جاتا +

دوم باقی اور اصل بات یہہ ہے کہ کیا انسان کی اپنی کوشش و تدبیر سے طبیعت کا یہہ نیا میلان حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں +؟۔ اب آؤ انسان کی تدبیروں اور کوششوں

حاشیہ + بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ انسان میں ایک عادت طبیعت ثانی ہو گیا ہے حتی کہ وہ خود اپنی طبیعت

میں تلاش کریں اور دریافت کریں کہ اُنمیں سے کوئی ایسی بھی ہی جو انسان کی بد طبیعت کو نیکی کیطرف مایل کرے تاکہ وہ واجبی عمل کرے۔ اس سلسلہ میں الہامی تدبیر کی بھی آزمایش ہوگی اور جو کوشش اور تدبیر امر مطلوبہ کو بر آمد کرنیوالی ہو وہ لازماً تعمیل اخلاق کے لئے اخلاقی قدرت ہوگی۔ یاد رہے کہ نیکی اور بدی کی کیفیت سے معلوم ہوا تھا کہ اخلاق میں خدا اور انسان دونوں شامل ہیں۔ اسلئے جو بات خدائی اور انسانی فرایض کی طرف انسان کی طبیعت کو مایل کرنے والی ہوگی ہم اُسی کو اخلاقی قدرت مانینگے۔ یعنے جسکے موافق عمل کرنے سے انسان حقیقت میں نیک اور راست بن سکے۔

بقیہ حاشیہ اِس کی طرف سے پھیر نہیں سکتا۔ چنانچہ ارمیا نبی کی کتاب ۱۳: ۲۳ میں لکھا ہے کہ کیا کوشی آدمی اپنے چمڑے کو یا چیتا اپنے داغوں کو بدل سکتا ہے؟ تب ہی تم نیکی کر سکو گے جن میں بدی کرنے کی اب عادت ہوتی۔ یا جنہوں نے بدی کرنی سیکھی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طبیعت کو بدی کی طرف سے نیکی کی طرف مائل کرنا انسان کے لئے ایسا مشکل ہو گیا ہے کہ اسکو ایک فطرتی ناقابلیت کے ساتھ تشبیہہ دیدیا ہے۔ اِس تبدیلی کے لئے اَور فاعل دکھا ہے۔ چنانچہ انا مہ یوحنا ۵۔ ۱۸ میں اُس قدرت کا پتا دیا گیا ہے جسکے وسیلے سے طبیعت بدل سکتی ہے۔ جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے گناہ نہیں کرتا بلکہ وہ جو خدا سے پیدا ہوا ہے اپنی حفاظت کرتا ہے۔

(دفعہ - ۱)

شایستگی یعنے نیچرل فلاسفی ور انشا میں اخلاقی قدرت کی تلاش

انسان پر اور انسان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ اُس میں جسمانی اور عقلی اور اخلاقی طاقتیں ہیں - ان سب میں ترقی کرنا اسکے لئے ایک فطرتی تقاضا ہو - تینوں طرح ترقی کرنا انسان کے لئے ممکن ہو - اُس کی جسمانی اور عقلی طاقتیں تو تحقیقہ نیچر پر مشق کرنے سے ترقی کر سکتیں اور کرتی ہیں - مگر کیا اشیائے اور قوائے نیچر نیچری صداقتیں انسان کی روحانی اور اخلاقی ترقی کے موجب بھی ہیں ؟ ہم کہتے ہیں نہیں - مگر بہتیروں نے اُنہی میں ترقی کرنا اخلاقی ترقی سمجھا ہو یہ ہمارے نزدیک سخت غلطی کی ہو - انکے اِس خیال کی بنا یہہ سوچی گئی ہو ہمارے مطالعہ سے گذری ہو - کہتے ہیں کہ جسمانی طاقتوں میں ترقی کرنا انسان کی ہستی کی مقدم غرض ہو - کیونکہ اگر انسان کے لئے اخلاقی ترقی مدنظر ہوتی تو اخلاق میں اسقدر سستی اور لاپروائی نہ ہوتی - سچ ہو کہ اخلاق میں کوئی نئی بات دریافت نہیں ہوتی اور اُس کی پرانی باتیں جسمانی صداقتوں کی ترقی کے سبب سے ایسی ضعیف الکشش ہوگئی ہیں کہ انسان انہیں صداقتوں کی تلاش میں مصروف ہو جو جسمانی اور عقل آرام کے متعلق ہیں عقل اُنہیں دریافت کرتی اور وہ جسم کے کام آتی ہیں - یہہ دُوربینیں اور سٹیم اینجن اور ٹیلی گراف اور طبعی صداقتیں مثل کیمیا اور جیالوجی اور اسٹرانومی اور طبابت وغیرہ زمانہ کے تن و من کو گھیرے ہوئے ہیں ہم بھی تو کہتے ہیں کہ اُنسے انسان کی اخلاقی ترقی نہیں ہو سکتی اور اگر انسان میں اخلاقی طبیعت نہ بھی ہوتی

تو بھی ان اموریں انسان کے لئے ترقی کرنا ممکن تھا۔مگر خدا نے انسان کی سرشت میں وہ خصوصیتیں ڈال دی ہیں جنکے سبب وہ فقط جسمانی قدرت ہی پر قناعت نہیں کرسکتا جسمانی صداقتوں سے اسکے دل کو آرام نہیں آتا۔نیچری صداقتیں انسان کے دل کو تبدیل نہیں کرسکتیں البتہ اپنے سے تجاوز نہیں کرنے دیتیں۔بھاپ اور کشش اور حرکت اور آگ۔ہوا۔پانی۔مٹی۔انسان کے اخلاق سے کچھ نسبت نہیں رکھتے۔ان چیزوں سے خالق کا کچھ اور ہی مطلب ہے جسے وہ پورا کر رہے ہیں حالانکہ اخلاقی قدرت وہ ہے جو انسان سے اخلاقی عمل کروائے۔ہم کہتے ہیں کہ نیچری صداقتوں میں ترقی کرنا اخلاقی ترقی نہیں ہے۔نیچرل ازم میں ہمارے سوال کا جواب نہیں ملتا۔لوگ جو شائستگی میں روحانی اور اخلاقی ترقی کی بنا قایم کرتے ہیں پہلے شائستگی میں تمیز کریں۔کیونکہ نیچری صداقتوں میں ترقی کرنا عقلی شائستگی ہے اور اخلاقی صداقتوں میں ترقی کرنا اخلاقی شائستگی ہے یہہ دونوں قسم کی شائستگیاں اپنے علاقہ اور طریق ترقی میں جدا ہیں۔کہو کیا وہ فقط جو علم طب میں ترقی کرتے ہیں جیالوجسٹ بھی ہیں؟ کیا وہ جو فقط علم نجوم میں ترقی کرتا ہے کیمیا گر بھی ہے؟ کیا وہ جو فقط علم موسیقی میں ترقی کرتا ہے مُصوّر بھی ہے؟ نہیں۔جب تک دوسرے علم میں بھی واقفی اور ترقی نہ کرے وہ اس سے بیگانہ رہیگا۔اور جس علم میں اُس نے ترقی نہیں کی واقف بھی نہیں وہ فقط دوسرے علم میں ترقی کرنے سے خود بخود حاصل نہیں ہو جاتا۔اسی طرح غور کرو کہ کیا نیچری علوم یا صداقتوں میں ترقی کرنے سے اخلاقی ترقی حاصل ہو جائیگی؟ ہرگز نہیں اخلاقی صداقتوں میں ترقی کئے بغیر اخلاقی ترقی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔اسلئے میرے اہل وطن دھوکھا نہ کھاویں۔نیچری صداقتیں اخلاقی صداقتوں سے جدا ہیں اُن میں ترقی کرنا اخلاقی ترقی کا موجب نہوگا۔اس لئے نیچری صداقتیں اخلاقی قدرت نہیں ہیں۔ہو نہیں سکتیں

وہ انسان کی طبیعت کو اخلاقی نیکی کی طرف پھیر نہیں سکتیں۔ بلکہ ایک طرح اسکی طرف سے پھیرنیوالی معلوم ہوتی ہیں ٭

قدرتی چیزوں کا علم حاصل کرنا اور دیگر علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنا شائستگی سمجھا جاتا ہی اور عیسویت کے برخلاف اس شائستگی کو اخلاقی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہی۔ بلکہ بعضے تو اسیقدر تحصیل کو شائستگی اور تربیت جانتے ہیں کہ یورپ کی چند زبانیں سیکھ لینا اور ساتھ اسکے چند دستور اور مراسم کو اختیار کر لینا۔ یا صرف اچھا کپڑا پہننا۔ اور یا انگریزی زبان محاورہ بول لینا وغیرہ حد شائستگی اور تقاضی تربیت ہی۔ ایسے خیالوں میں پڑکر عجب نہیں ہی کہ یہہ لوگ شائستگی اور عیسویت میں مخالفت اور جدائی کا گمان کریں۔ اور عیسویت سے دور رہنا اور شائستگی کی پیروی کرنا سعادت جانیں لیکن اگر شائستگی اور عیسویت کی ماہیت کو معلوم کریں تو شائستگی کو عیسویت کے برخلاف نہ پاوینگے بلکہ معلوم کرینگے کہ دونوں کی غرض ایک ہی ہی اور کہ عیسویت کے بغیر پوری شائستگی محال ہی نہیں ناممکن ہی۔ جہاں شائستگی بے زور وہاں عیسویت انسان کی رہبر اور مددگار ہی میں مان لیتا ہوں کہ جیالوجی۔ اسٹرانومی۔ کیمسٹری اور طبابت وغیرہ میں ترقی کرنے سے لوگ بہتیری باتوں میں ہشیار ہو جاتے ہیں۔ اور عقل کی سوچ اور فکر اور تجربے بڑھجاتے ہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک یہہ یکطرفہ بلکہ عارضی تربیت ہی۔ بجائے اسکے کہ لوگ اپنے تئیں پوری شائستگی کے مطابق کریں وے تربیت یا شائستگی کو اپنے مطابق کرنے کے خیال و کوشش میں ہیں ٭

حقیقی اور سچی شائستگی اسبات میں ہی کہ انسان کی کل طاقتیں تربیت پاویں۔ ہاں ایک ایک قوت میں جو خدا نے انسان میں موضوع کی ہیں ترقی کرے۔ یعنے جسمانی اور عقلی اور اخلاقی مگر

انسان ایسا نہیں کرتے۔ پہلوانوں اور سپاہیوں کا بیشتر پہلی بات پر زور ہی اور بعضے پہلی اور دوسری دونوں پر۔ تمام دنیوی علوم وفنون انہیں کے متعلق ہیں۔ اور وے جو صرف انہیں دو باتوں میں ترقی کرنا مستی کی اول غرض جانتے ہیں وہ تیسری بات سے بالکل بے پروا ہیں۔ حالانکہ تیسری بات یعنے اخلاقی ترقی سب سے اعلی اور ضروری ہے۔ اس کے نتیجے ہمیشگی کے متعلق ہیں۔ اب عیسویت وہ ہی جو اس اخلاقی شایستگی کا آوازہ دینی ہے۔ یا درہے کہ انسان کی فطرت تو اس حال ہیں سچی شایستگی اور عیسویت میں مخالفت قبول نہیں کرتی۔ مخالفت کا گمان کرنا لوگوں کا صرف تحصیلی اور یکطرفہ خیال ہے۔ برخلاف اسکے عیسویت اور تربیت انسان کی ترقی کے دو بڑے وسیلے ہیں۔ یہہ نہیں معلوم کہ تربیت جسمانی اور عقلی ترقی کی کیا حد ٹھہراتی ہے۔ مگر عیسویت انسان کی اخلاقی ترقی کا حد درجہ یوں بیان کرتی ہے کہ نئی انسانیت کو جو راستبازی اور پاکیزگی میں اپنے پیدا کرنیوالے کی صورت پر بنی تھی پہنو۔ (نامہ افسیوں ۴: ۲۴) تم کامل ہو جیسا تمہارا باپ جو آسمان پر ہے کامل ہے۔ انجیل متی ۵: ۴۸+

اب دریافت کرنا چاہیئے کہ شایستگی بجائے خود بغیر عیسویت کے انسان کا یہہ مطلب حاصل کروا سکتی ہے یا نہیں۔ اگر کروا سکتی ہے تو پھر اور کیا چاہیئے۔ اور اگر نہیں۔ تو عیسویت کو اسکے ہمراہ رکھنا ضروری ہے تاکہ ہمارے مطالب بہ خیریت حاصل ہوجاویں +

واضح ہو کہ اس مدعا کی تحصیل میں دو مشکلاتیں ہیں۔ **۱ ایک** یہہ کہ خدا کی وہ صورت مطلوبہ انسان میں سے جاتی رہی ہے اور اس نقصان کا موجب گناہ ہے۔ جس کی ظلمت میں ضمیر کی آواز معدوم سی ہوگئی ہے۔ عقل نابینا سی ہوگئی گناہ نے آزاد مرضی کو اپنے بس میں کرلیا۔ بالکل اپنی طرف مائل کرلیا۔ غرضکہ اس صورت الہی یعنے راستبازی اور پاکیزگی کے کھوئے جاتے سے

انسان کی یہہ حالت ہوگئی ہے۔ اب یہہ مشکلات شائستگی مذکورہ سے حل نہیں ہوسکتی دوسری مشکل یہہ ہے کہ جسنے انسان کو اپنی صورت پر بنایا نادیدہ ہے اور اسلئے انسان کی اس بگڑی ہوئی حالت میں معلوم کرنا مشکل ہے کہ وہ کیا صورت تھی +

شائستگی یا تربیت ہمیں وہ صورت نہیں دکھلا سکتی جو ہمارے لئے نمونہ ہوا ور جسکے موافق ہم اپنی حالت کو سنواریں۔ شائستگی نہ تو ایسا کوئی نمونہ دکھا سکی اور نہ کوئی ایسی تحریر پیش کر سکی جو اُس اصلی صورت کا حال معلوم کرا دے۔ برخلاف اِسکے ہر ملک کی شائستگی یکساں نہیں ہے تہذیب میں اختلاف ہے۔ کوئی ایک طریق کو محسن بتلاتا دوسرا اُسکو بُرا جانتا ہے۔ یہی حال قدیم سے رہا ہے اور جہاں عیسویت کا گذر نہیں ہوا وہاں اب بھی یہی حال ہے۔ غرضکہ یہہ دونوں مشکلاتیں شائستگی کے لئے مشکلاتیں ہیں۔ کوشش میں تو شک نہیں مگر ناکامیابی میں بھی کلام نہیں۔ ذرہ خیال کرو کہ اگر ہم فقط شائستگی کے بھروسے میں رہیں تو ہمارا کیا حال ہوگا وہی جو تھا اور اب ہے عیسویت کے بغیر قدیم رومی اور یونانی شائستگی تو رکھتے تھے مگر اخلاقی ترقی کا کیا حال تھا۔ ہم اُنکے احوال سے معلوم کرتے ہیں کہ وہ بداخلاق قومیں تھیں۔ ہمارے ہندوستان کا اَور بھی بُرا حال تھا اور اب بھی کچھہ نہیں ہے۔ پہلے تو اِسکے مذہب کی کیفیت نامعقول تھی جسمیں نیچر پرستی اور پھر سنگ پرستی اور حیوان پرستی اور باہمی عداوت اعلیٰ جزو تھے اور اب کے نوجوان اُس سب کے بجائے شائستگی کے بھیر میں آ ناپسند کرتے ہیں۔ مگر اس شائستگی سے بداخلاقی کچھہ کم نہیں ہے بلکہ نئی نئی طرز شرارت کی تجویز کی جاتی ہے۔ اور لفظوں میں یوں کہیں کہ شائستہ طور سے گناہ کرنا پسندیدہ ہوتا جاتا ہے +

اب غور کرو کہ عیسویت اِن مشکلوں کو کیسے اعلیٰ طور سے آسان کرتی ہے۔ **اول** تو اس نادیدہ خدا کو مسیح عیسیٰ میں **ظاہر** بتلاتی ہے جس نادیدہ خدا کی صورت انسان اپنے میں کھو بیٹھا ہے

یعنے مسیح کو پیش کرتی اور یہہ کہتی ہی کہ وہ خدا کے جلال کی رونق اور اُسکی ماہیت کا نقش ہی (عبرانیوں ۱: ۳) وہ اندیکھے خدا کی صورت ہی (قلسیوں ۱: ۱۵) اِس سے دوسری مشکل بھی حل ہوئی جو انشاء اور علوم وفنون سے اب تک حل نہیں ہوسکی یعنے مسیح خدا کی صورت ہو کے انسان کے لئے اپنی انسانی حیثیت میں اُس اصلی حالت کا نمونہ ٹھہرا جسمیں خدا نے انسان کو بنایا تھا۔ اور یوں وہ صورت جسکا گناہ نے انسان میں کھوج مٹا دیا تھا اِسکا مسیح میں کامل سُراغ ملتا ہی۔ اور مسیح بنی آدم کے لئے اخلاق کا نمونہ ٹھہرتا ہی۔ پس فقط اُسی کے نقش قدم پر چلنے سے ہم شائستگی کا یہہ اعلیٰ جزو حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اِس سے صاف ظاہر ہی کہ عیسویت کے بغیر سچّی اور پوری شائستگی محال ہی۔ عقلی علوم میں خواہ کیسے ہی یکتا ہوں اگر اخلاقی ترقی روحانی شائستگی نہیں ہی تو اب تک ہم نے بے سود شائستگی حاصل کی ہی۔ میرے اہل وطن بڑے بڑے تعلیم یافتہ اپنے علم کے بھروسے میں دھوکھا نہ کھاویں اُن کی اِسقدر ترقی کی باوجود ابھی ایک چیز باقی ہی (مرقس ۱۰: ۲۱) یعنے اخلاقی ترقی۔ اور وہ بغیر مسیح کی پیروی کے محال ہی۔

تواریخ اسیات کی شاہد ہی کہ عیسویت شائستگی کی مخالف نہیں بلکہ اُسکی محافظ اور ترقی دینیوالی ہی حتّی کہ اُسکے زوال سے اور باتوں کو بھی زوال ہوا۔ اور اُس کی سچّی پیروی سے دیگر علوم اور انشا کو بھی ترقی ہوئی۔ ذرہ خیال کرو کہ زمانہ کی علمی اور انشائی ترقی کے اول بانی کون تھے یعنے اس شائستگی کے جو مغرب سے مشرق میں آئی ہی اور جسپر لوگ ایسے نازاں اور جاں دادہ ہیں سو معلوم ہو کہ وہ بانی قدیم یونانی اور رومی تھے۔ جو ایک زمانہ تعلیم اور انشاء میں بے مانند تھے جب دینِ عیسوی کا ظہور ہوا اور ملکوں میں کثرت سے اسکا رواج ہوا تو کیا وہ علوم وفنون اور انشاء کی مانع ہوا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ جب وہ پُرانی شائستگی راہی عدم ہونے لگی تو عیسویت

نے نہ صرف اسکو بحال رکھا بلکہ جن ملکوں میں وحشت کا دور دوران تھا وہاں عیسویت کے ساتھ انشا، اور علوم کو بھی نئی ترویج و ترقی دی - یورپ اپنی شایستگی کے لئے عیسویت کا احسانمند ہے - اور اب اپنا عکس ایشیا پر ڈال رہا ہے - مگر جب عیسویت کے حقیقی اصولوں کی پیروی میں بے پروائی ہوئی اور یوں اخلاق کے علم اور عمل میں قصور بڑھگیا اور تاریکی یورپ پر چھا گئی جسکے سبب سے اُس زمانہ کو زمانہ ظلمت (Dark ages) کہا جاتا ہے تو اُس زمانہ میں علم اور انشا، کا کیا حال ہوا ؟ - اگرچہ ہسپانیہ میں فاتح عربوں نے یونانی علوم سیکھکر کوشش کی کہ اُنکو بحال رکھیں تاہم ظلمت کا زور بڑھتا گیا - کیونکہ شایستگی کا بجائے خود زوال پایا اُس زوال کا موجب نہ تھا مگر اُسکا سبب کہیں اور تھا اسلئے وہ لوگ کامیاب نہ ہوسکے اور یورپ کی تاریکی پندرھویں صدی عیسوی تک کم نہ ہوئی - اِس صدی میں مارٹن لوتھر مشہور ریفارمر نمودار ہوا - اُسنے انجیل کی اس آیت سے کہ راستباز ایمان سے جئیگا اس وقت کے بگڑے ہوئے اور کلام الٰہی سے برگشتہ عیسائیوں کو درست کیا - اُس دینی ہلچل نے لوگوں کو علوم کی طرف اُبھارا اور وے زبانیں سیکھنے لگے - اور دیگر علوم اور انشار کی تعلیم کے لئے مدرسے جاری ہوئے - اور یوں لوگوں کو نہ صرف اخلاقی اور روحانی ترقی کی بلکہ علوم اور انشا میں ترقی کرنے کی بھی فکر پڑی ؟ مارٹن لوتھر نے دین کی طرف اور فرانسس بیکن نے علم کی طرف لوگوں کو مائل کیا - اور اس طرح ان مسیحی بزرگوں نے دینی اور علمی ترقی کو بڑھایا اور اُس تاریکی کو جو سیکڑوں برسوں سے یورپ پر چھا رہی تھی ہٹایا - تب سے بھی علم اور دین ایک دوسرے کے ساتھی ہیں - مخالف نہیں - ہمارے بیان سے ظاہر ہوا کہ عیسویت شایستگی کو رد نہیں کرتی بلکہ اُسکو ترقی دینیوالی ہے مگر شایستگی اپنے سلسلہ میں ترقی کرواسکتی ہے - جیسے عیسویت صاد کرتی ہے مگر جو ترقی شایستگی کے

ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی اسکے لئے عیسویت اپنے تئیں یکتا قدرت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے
بالفرض اگر عیسویت اور شایستگی کو جدا (نہ کہ مخالف) ہی سمجھیں تو بھی ثابت یہہ ہوگا کہ
دونوں کی ضرورت ہی۔ مگر یاد رہے کہ ہم شایستگی کو عیسویت کا موجب نہیں کہہ سکتے لیکن عیسویت
کو شایستگی کا موجب کہنا کچھہ نازیبا نہ ہوگا۔ یہہ ہم اسلئے کہتے ہیں کہ مروج اور موجودہ علوم
کے لئے متن کی آیات بائیبل ہی میں پائی جاتی ہیں جنہوں نے عالموں کو قدرتی چیزوں کی
بابت دریافت کرنے پر آمادہ کیا۔ اسبات کا ذکر ہم کسی اور سلسلہ میں کرینگے۔ الا اس دفعہ میں
جو تمیز مد نظر تھی اُسکا بیان کیا گیا اور عیسویت ہی اخلاقی قدرت ٹھہرتی ہے نہ کہ شایستگی ÷

دفعہ ۲

ملکی انتظام میں اخلاقی قدرت کی تلاش

ملکی انتظام کو اعتماداً انسان کی روحانی و خلاقی ترقی کا وسیلہ کہا گیا ہے۔ یونان کے نامی فلاسفر ارسطو کا یہہ گمان تھا اور رُخ زمانہ بھی بیشتر اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ ہم ارسطو کی باتوں کو بجنسہ درج کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انسان پہلے ہی سے نیکی کی طرف مائل نہ ہوں تو محض خیالی تدبیریں اُنہیں نیک نہیں کر سکتیں۔ اکثر انسانوں پر ایسی خیالی تجویزیں کچھہ اثر نہیں رکھتی ہیں۔ درحقیقت نیکی کا حاصل کرنا مشکل ہے ہاں جبکہ سب موقعے بھی عمدہ ہوں۔ اگر ایسے نہ ہوں تو متکلم کی آواز بے اثر (ناتواں) ہے اب تین طریقے ہیں جن سے عام گمان ہے کہ نیکی تک پہنچ سکتے ہیں (۱) فطرتی طبیعت۔ (۲) اخلاقی تربیت۔ (۳) عقلی تعلیم پہلا صریحاً ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ (یہہ اجابت یاد رکھنے کے قابل ہے) تیسرے کی تاثیر مختلف حالتوں میں مختلف ہے۔ اور سامع کے دل کے پہلے ہی سے تیار ہونے پر منحصر ہے جیسے زمین بیج کے لئے ہوتی ہے۔ خواہش جب بڑھگئی تو نہ سنیگی اور فی الحقیقت سوائے زور کے اور کوئی دلیل نہیں سمجھہ سکتی۔ پس طریقوں مذکورہ میں سے دوسرا باقی ہے۔ اخلاقی چال چلن حاصل کرنے میں اخلاقی تربیت ہمارا ضروری ابتدائی امر ہے۔ مگر ایسی تربیت لڑکپن میں شروع ہونی چاہئے۔ اور یہہ صرف قانون کے زور سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جب تک ہم اسکے عادی نہ ہوویں ضرور ہے کہ وہ ایک دردناک عمل ہو اور خصوصاً لڑکپن میں۔ مگر انسانوں کی کثرت جو صرف زور اور خوف عقوبت

کے مطیع ہوا کرتے ہیں محتاج ہیں کہ اُن کی چالچلن اور کار و بار کا نہ فقط لڑکپن ہیں بلکہ عمر بھر
اِسی طریق سے انتظام کیا جاوے اس لئے یہہ شارع کا فرض خیال کیا گیا ہے کہ وہ اُن کی
اعلیٰ خواہشوں سے دا و چاہے جن میں نیچر یا اچھی تربیت نے ایسی خواہشیں ڈال دی ہیں لیکن
اور سب سے بذریعہ تکلیفوں یا جرمانوں کے اطاعت کروائے۔ اور ایسی تکلیفوں سے جو ٹھوکر
کھلانیوالی خوشی کے بالکل برخلاف ہیں۔ + اِسکے بعد یہہ فلاسفر لکھتا ہے کہ ما باپ یہہ نہیں کروا سکتے
اور ملکی حکومت کروا سکتی ہے مگر ہمیشہ نہیں کرتی +

ملکی انتظام کی نسبت کمترین کا یہہ گمان ہے اور جسکی تجربہ سے تصدیق ہوتی ہے کہ وہ انسان
کی دنیاوی یا جسمانی آرام کو بڑھانے یا قایم رکھنے کے لئے ایک انسانی تدبیر ہے۔ اُس آرام
میں یہہ دو اصلی باتیں داخل ہیں یعنے ملکیت اور عزت + کی حفاظت اور ترقی۔ ان دو باتوں
کو قایم رکھنے یا حاصل کرنے یا بڑھانے کے لئے انسانوں میں باہم لڑائیاں اور خون اور چوریاں
اور جھوٹھ اور فریب ہوتے ہیں حالانکہ لازم تھا کہ وہ باتیں محبت کے ذریعہ سے قائم ہوئیں۔
اب تاکہ ہر ایک کو اُسکی عزت اور ملکیت کا پورا حق ملے اُن حرکتوں کو جو ان سے محروم کرنیوالی ہیں
جبراً روکنے یا دفع کرنے کے انتظام کا نام ملکی انتظام ہے۔ اور لفظوں میں یوں کہیں کہ ملکی انتظام
اِس قدرتی قانون پر عمل کروانے کی انسانی تدبیر ہے کہ اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو
یہہ بات ضرور ماننی پڑتی ہے کہ نیچر کی چیزوں اور قوتوں کی نسبت جو اپنے آپ میں بے تمیز ہیں

حاشیہ + ارسٹاٹلس اسے تھکس یعنے اخلاق ارسطو۔ کتاب دسواں باب ۹۔ ترجمہ ڈاکٹر ایڈورڈ مور صاحب
+ کتاب پیدایش ۱۔ ۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ دو باتیں انسان کو اس دنیا میں فطرت کے ساتھ دیگئی تھیں
انسان کے لئے خدا کی طرف سے ہیں۔ اور خدا نے اُنہیں کہا کہ پھلو اور زمین کو معمور کرو اور اُسکو محکوم کرو۔ اور پھر

یہہ انسانی تدبیر انسان کے آرام و خوشی کو بڑھانے کی قوی اور زندہ تدبیر ہے۔ مگر پھر بھی ایک کمزور اور عارضی تدبیر ہے۔ باوجود اسقدر زور آور ہونے کے پھر بھی انسان کے لئے خلافی قدرت نہیں ہے۔ مجھہ عاشق الہام سے کوئی پوچھیگا کہ کیوں نہیں؟ تمہاری الہامی بائبل میں اس تدبیر کے پابند ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بادشاہوں اور حکومتوں کو خدا کی طرف سے کہا گیا ہے پھر کیونکر یہی انسان کے باہمی فرائض کے لئے قدرت نہیں مانتے ہو؟ نامہ رومیوں ۱۳: ۱۔۷ نامہ اول پطرس ۲: ۱۳ و ۱۴ ✣

اولاً واضح ہو کہ بائبل اسلئے حکومتوں کے تابع ہونے کی ہدایت نہیں کرتی کہ حاکمی اور محکومی خدا کی طرف سے ایک فطرتی تقاضی ہے کیونکہ شروع سے ایسا نہ تھا بلکہ ابتدا میں انسان کی حکمرانی کمتر جانداروں پر مقرر ہوئی نہ کہ ایک انسان کی دوسرے پر۔ تب خدا نے کہا کہ ہم آدم کو اپنی صورت پر اور اپنی مانند بناویں کہ وے سمندر کی مچھلیوں پر اور آسمان کے پرندوں پر اور چارپائیوں پر اور تمام زمین پر اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں سرداری کریں وغیرہ کتاب پیدایش ۱: ۲۶ و ۲۸ ۔ نوح کے گھرانے کو اسی سرداری کا آوازہ دیا گیا ۹: ۲ ۔ اور بھی دیکھو زبور ۸: ۶-۸ ان سب مقاموں میں جو انسان کی آغاز کی طرف راجع ہیں انسان پر انسان کی حکومت متروک کی گئی ہے اسلئے کمترین ڈاکٹر پیلی وغیرہ کے ساتھہ اتفاق نہیں کر سکتا جو کہتے ہیں کہ بہتوں پر ایک کی حکومت کی ۔ حکومت کرنے اور حکومت کئے جانے کی طبیعت اِس طور سے (یعنے والدینی حکومت کی وجہہ سے)

بقیہ حاشیہ انسانوں کے ایک دوسرے کے حق میں دست اندازی کرنے کے برخلاف یوں فرمایا کہ میں نے زمین کو اور انسان و حیوان کو جو روئے زمین پر ہیں اپنی بڑی قوت سے اور بڑھائے ہوئے بازو سے پیدا کیا اور جسے میں نے مناسب جانا اُسے اُنہیں بخشا ۔ یرمیاہ ۲۷ . ۵ ۔ اور بھی دیکھو استثنا ۳۲: ۸ ✣

انسان کی ذات کے متعلق اور اُسکی ہستی کے ساتھہ ہم عصر ہی۔ یوں بعضے حکومتوں کا خدا کی طرف سے ہونا قایم کرتے ہیں۔ مگر دیکھو آیات مسطورہ بالا جسکی رو سے ہم کہتے ہیں کہ شروع سے ایسا نہ تھا۔ خاندانی حکومت زوروا کی حکومت نہ تھی مگر محبت پر مبنی تعظیم تھی +

ثانیاً۔ اِسلئے ایسا حکم دیتی ہی کہ اگرچہ حکومتیں انسانی ہیں مگر پھر بھی خدا کی حکومت کے زیرسایہ ہیں۔ ا پطرس ۲: ۱۳ و ۱۴۔ انسان کی **موجودہ حالت** میں خدا کی یہہ مرضی ہی کہ بدی دنیاوی حکومت کے ذریعہ سے روکی جاوے اور وہ جو بدکار ہیں اُنہیں ساتھوں ساتھہ حاکموں کے ذریعہ سے سزا دیوے جسطرح بیماری اور وبا سے بھی سزا دیتا ہی۔ اگر ایسا نہ ہووے تو دنیا میں اندھیر مچ جائے اِسلئے ملک کو تباہی اور ویرانی سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا اپنے انتظام میں ملکوں میں بادشاہوں اور حاکموں کو اُٹھاتا اور گراتا ہی خواہ وہ بھلے ہوں خواہ بُرے۔ دیکھو رسول صاف لکھتا ہی کہ بادشاہ اور حاکم کس لئے ہیں۔ اسلئے کہ عدالت کرکے بدکار کو سزا دیں۔ اسلئے +

ثالثاً۔ اصل بات جو اس حکم میں رسول سکھلاتے ہیں یہہ ہی کہ اطاعت کریں بادشاہ خواہ کیسے ہی ہوں سلیمان ہوں خواہ فرعون۔ یہہ جانکر کہ سب حکومتیں خدا کی طرف سے ہیں جس حکومت کے ماتحت ہوں اُس کی اطاعت کرنا فرض جانیں۔ یہہ بھی جانکر کہ خدا تعالیٰ آدمیوں کی مملکت میں حکمرانی کرتا ہی۔ اور جسے چاہے اُسے دیتا ہی بلکہ آدمیوں میں سے ادنیٰ آدمی کو اُسپر قایم کرتا ہی۔ دانیل ۴: ۱۷۔ اور بھی دیکھو یرمیاہ ۲۷: ۰۰۔ اِسلئے چاہئے کہ جو کچھہ ہمیں یا ہر ایک کو دیا گیا ہی اُسپر قناعت کریں اور دوسرے کی بہتر قسمت کا حسد نہ کریں اور جو جسکا حق ہی اُسے دیویں۔ مگر کون کرتا ہی۔ لیکن عیسائیوں کو نہ صرف اسبات کے سبب بلکہ اُنکے بہتر کام کے سبب تابعداری کا حکم ہی +

مرابعا۔ رسول یہہ نہیں کہتے کہ حکومتیں اخلاقی قدرت ہیں بلکہ وہ گناہ کو ثابت کرتی ہیں اور دوسرے مقام میں پولوس رسول کہتا ہے کہ شریعت کے وسیلے سے گناہ کی پہچان ہی ہے۔ رومیوں ۳ : ۲۰ ÷

اب ظاہر ہے کہ جس قدرت کی تلاش میں ہم ہیں وہ ملکی انتظام نہیں ہو سکتا۔ خیال کرو کہ ملکی انتظام کی خوبیاں کن باتوں میں ہیں۔ عدالت اور دلیری اور اطاعت میں۔ عدالت ملکی حکومت کا لفظ ہے اور دلیری اور اطاعت فوجی باتیں ہیں۔ ہر ایک حکومت اپنے انتظام کے لئے قانون سزا تجویز کرتی اور سزا دینے میں انصاف کو عمل میں لاتی ہے۔ اسیطرح افسر کی اطاعت سپاہیوں کے لئے ضروری ہوتی ہے بغیر اسکے کام نہیں چلتا۔ اور دشمن کو مارنے اور اپنے بچانے کے لئے دلیری فوج کے لئے ضروری امر ہے۔ جو سپاہی دلیر نہ ہو وہ بُرا ٹھہرایا جاتا ہے۔ مگر یہہ خوبیاں ایک اِنسان یا ایک گروہ کو دوسرے سے جُدا کرنیوالی ہیں۔ دلوں کو الگ کرنیوالی ہیں الفت اور رحم اور بخشش اِن میں نہیں۔ اگر دنیا میں یہہ ہوں تو وہ نہیں رہتیں۔ لازم تھا کہ انسان کا وہ آرام و خوشی اِس دنیا پر جسکا ہم ذکر کر چکے ہیں الفت اور رحم اور بخشش سے قایم رکھا جاتا نہ کہ دُنیاوی عدالت یا فوجی دلیری سے۔ اب چونکہ دنیاوی حکومت ہے اِسلئے یہہ تینوں جو محبت کے انگ ہیں بیکار ہیں۔ یعنے محبت سے کام نہیں لیا جاتا آؤ آزماویں اور دیکھیں۔ اِس زریں اصول کو کہ اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو اخلاق کا سمت الراس ٹھہرا کر دیکھیں کہ ملکی انتظام اُس کی طرف مائل کرنیوالا ہے یا نہیں۔

دنیا کے قدیم اور جدید ملکی انتظاموں پر غور کرنے سے کم سے کم تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور اُن کی کیفیت حسب ذیل ہے ÷

پہلی بات یہہ کہ ملکی حکومت میں لوگ بلحاظ نسل کے انتظام کرنے میں نہ بلحاظ

محبت کے ۔ ایک جوڑے سے خاندان ہوجاتا اور ایک خاندان ٹرھکر فرقہ یا قوم ہوجاتا ۔ اور
یہہ قوم اَور قوموں کو جو ہم نسل نہیں فقط غیر نسل ہونے کے سبب سے نگاہ نفرت اور عداوت سے
دیکھتی ہے ۔ اور یوں ہر ایک خاندان اور پھر ہر ایک قوم اپنے نفع کا خیال رکھتی اور دوسری قوم کو
مغلوب کرکے بھی حرص نفسی کو پورا کرنے کے درپے ہوتی ہے ۔ اور اس طرح نسلی مخالفت تحصیل حکومت
کا موجب ہوتی ہے ۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک ملکی حکومت میں نسل کا لحاظ مقدم اصول ہے ۔ ڈاکٹر
ہیلی صاحب آغاز ملکی حکومت کی وجہہ یہہ لکھتے ہیں کہ والدینی حکومت اور خانگی زندگی کی ترتیب
ملکی حکومت کی بنیاد ہے ۔ خاندان میں بادشاہت کے ابتدائی اصول ہیں ۔ پھر کہتے ہیں کہ اکثر ملکوں
میں سوسائٹی کی قدیم حالت اور دُنیا کے بعض جاہل حصّوں کی موجودہ حالت ملکی حکومت کے اِس آغاز کو
واضح کرتی ہیں ۔ پلسٹاین یونان ۔ اِٹلی ۔ گال ۔ برٹین کی اولین تواریخیں ہمیں بتلاتی ہیں کہ یہہ
ملک بہت سی چھوٹی چھوٹی آزاد قوموں کے قبضہ میں تھے اُن قوموں کے موافق جو حال میں شمالی امریکہ
اور افریکا کے کنارے کے وحشی باشندوں میں پائی جاتی ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہہ قومیں اُسیقدر جُدا جُدا
خاندانوں کا پھیلاؤ ہیں یا دو یا تین خاندانوں کے مل جانے سے بن گئیں جنہیں لڑائی یا کسی
عام خطرے نے مقابلہ کے لئے ملا دیا ۔ † اس سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ اسی بنا پر ایک قوم
دوسری کے مخالف تھی اور ہے ۔ ہاں نسل ہی کا لحاظ جدائی کی فطرتی تلوار ہے ۔ قدیم روم اور یونان
کی قوموں کو جانے دو اُس کے ثبوت کے لئے ہمارے ہی ملک اور ہمارے ہی زمانہ کی تواریخ کافی
ہے ۔ ہندوستان کا قدیم ملکی انتظام اس ہی بنا پر تھا ۔ سورج بنسی اور چندر بنسی قوموں میں نسلی تفرقہ
اور نسلی عداوت ان کی جداگانہ حکومتوں کا سبب تھا ۔ دکھن کا یہی حال تھا وہ ملک اُن فرقوں اور

حاشیہ † مارل اور پولٹیکل فلاسفی کتاب ۶ باب پہلا ۔

گروہوں میں منقسم تھا جنہیں نسل نے جدا کر رکھا تھا - اُس میں ٹامل اور کارناٹما اور مرہٹا اور
اوریا وغیرہ وغیرہ چھوٹی چھوٹی جُدا جُدا ریاستیں تھیں اور اب بھی اگرچہ گورنمنٹ انگلشیہ کی حکومت
ہی تاہم ہندوستان میں نسل کا لحاظ مختلف گروہوں میں تفاوت اور عداوت کا دائمی اور زندہ
موجب ہی - اور یہہ اخلاق کے اُس مقدم اصول کی طرف پھیرنے کے عین برخلاف ہی - پھر منو نے
یا منو کے وقت سے سوسایٹی ایسی چار گروہوں میں جدا ہوگئی کہ بہ سبب غیر نسل ہونے کے ایک
ذات دوسری سے مل نہیں سکتی - یہہ موقع نہیں کہ ہم ذات کی خرابیوں کا بیان کریں - الا یہہ خوب ظاہر ہی
کہ جہاں سوسایٹی کی یہہ ترکیب ہی وہاں ایک دوسرے کو ایسا پیار نہیں کرسکتا جیسا آپ کو - پھر
یورپ کو دیکھو - نظر اُٹھاؤ کہ نسلی عداوت نے اُسے جُدا جُدا بادشاہتوں میں پھاڑ رکھا ہی -
انگریز اٹلی والوں کے ساتھ اپنے جیسا سلوک نہیں کرسکتے نہیں کرتے کیونکہ وہ اُس نسل کے نہیں
اور اسی نگاہ سے موخر قوم مقدم کو دیکھتی ہی - اہل امریکہ حبشیوں اور چینیوں کو بہ سبب غیر نسل ہونے
کے اپنے جیسا پیار نہیں کرتے - روسی ترکوں کو اسلئے نگاہ نفرت سے دیکھتے ہیں کہ وہ ہم نسل نہیں
روسی نہیں ہیں - اور اسی طرح ترکی روسیوں کو - ہاں جہاں دیکھو وہیں نسل کا لحاظ ہم مذہبی پر بھی
مقدم ہی - اس سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ ملکی انتظام کی ترکیب ہی ایسی ہی کہ اُس کی رو سے
محبت تک پہنچ نہیں سکتے - ملکی انتظام کی ابتدائی اور مقدم جز اسکے مخالف ہی - ہاں وہی خود منفعت
کی بنا ہی تو محبت کی طرف کیونکر لا سکتی ہی -

پھر کیا علاج کیا جاوے ؟ سنو الہام کیا کہتا ہی معلوم کرو کہ عیسویت کس تقریب سے انسان
کو اخلاق کے اُس سمت الراس تک پہنچاتی ہی - وہ عناد اور جدائی کے اِس بندھن کو توڑتی ہی -
نسل کے لحاظ کو دل سے اُڑاتی ہی - اور یوں دنیا میں سے مخالفت کی گویا فطرتی بنا کو اُکھاڑتی ہی - اور وہ نئی طرح سے

(۱) یہہ کہتی ہی کہ انسانی گروہیں جدا جدا نسلیں نہیں مگر خدا نے ایک ہی لہو سے آدمیوں کی
سب قوم تمام زمین کی سطح پر بسنے کے لئے پیدا کی - اعمال الرسل ۱۷ : ۲۶ (۲) فقط ایک جوڑے
سے سب قوموں کا ہونا ہی پیش نہیں کرتی بلکہ اُس سے بڑھکر یہہ فرماتی ہی کہ سب خدا کی نسل ہیں
اُس سے پیدا ہوئے ہیں - انوس سیت کا بیٹا تھا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا تھا - لوکا
۳ : ۳۸ - لیکن ہمارا ایک خدا ہی جو باپ ہی جس سے ساری چیزیں ہوئیں اقرنتیوں ۸ : ۶ - ایک
خدا ہی جو سب کا باپ کہ سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور تم سب میں ہی - نامہ افسیوں ۴ - ۶ -
اِسلئے تم اسی طرح دعا مانگو کہ ای ہمارے باپ جو آسمان پر ہی متی ۶ : ۹ - اور یوں نسلوں کی
جدائی کے برخلاف سب کا ایک نسل سے ہونا بیان کرتی ہی - اور نسلوں والے دنیاوی باغی خیال
کو رد کرتی ہی - (۳) یسوع مسیح کو کل جہان کا نجات دہندہ بتلاتی - جو کام اُسنے کئے اُنہیں
ہر نسل ہر گروہ کے شامل حال بتلاتی ہی - یہودی کہہ سکتے ہیں کہ موسیٰ ہمارا بہادر تھا - امریکن
کہہ سکتے ہیں واشنگٹن ہمارا بہادر ہی - اہل عرب محمد کو اپنا پہلوان کہہ سکتے ہیں - اہل فرانس
نپولین کو اپنا اِیل نامور کہہ سکتے ہیں - یونانی سکندر اعظم کو - اِن ناموروں کے کام ہی ایسے
تھے کہ اُن میں ایسی محدود یا مقیّد خصوصیت تھی جو انکی اپنی اپنی قوم کے متعلق تھی - اُنہیں
قوموں کیواسطے تھی - مگر کوئی قوم یہہ نہیں کہہ سکتی - جگہہ ہی نہیں - ایسی کوئی خصوصیت ہی نہیں
جسکے سبب کہہ سکے کہ یسوع مسیح میرا ہی دوسریکا نہیں - وہ سب کا ہی - اگرچہ قوم یہود میں پیدا ہوا
اور ظاہر ہوا مگر اُس کی کلام میں یہودیت کی قید یا خصوصیت نہیں - ایک ہر زمان عمومیّت اظہر ہی -
ہر قوم اُس کی کلام یوں سُن سکتی ہی کہ گویا وہ اُسی سے مخاطب ہی - اُسکا کام ہر قوم کے لئے ہی -
ہر ایک قوم اپنی ابدی نجات کا فخر اُسمیں پا سکتی ہی - اُسپر ایمان لانے سے پھر نہ کوئی یونانی ہی

نہ یہودی۔ نہ ختنہ نہ نامختونی۔ نہ بربری نہ سقوطی نہ غلام نہ آزاد پھر مسیح سب کچھ اور سب میں ہے۔ نامہ قلسیوں ۳ : ۱۱۔ اب میرے ہم وطن برادران عام اور خاص اسباب کا خیال کریں کہ جدائی کی جڑ یعنے نسل کا لحاظ جو ملکی حکومت کا پہلا اصول ہے اُس کی بنا ہے۔ اور جس سے ہماری اخلاقی ترقی اگر ایک قدم آگے اُٹھاتی تو تین پیچھے ہٹتی ہے عیسویت سے کیسی برباد کی گئی ہے۔ اور وہ بھی کیسے معقول اور ملائیم طور سے۔ اور اُس زریں اصول کی طرف آنے بلکہ اُسے پلنے کے لئے کیسا قوی اور سچا اور فطرتی سبب پیش کیا گیا ہے۔ اب جسطرح انسان نسلونکا لحاظ کرتے اور خرابیاں پیدا کرتے رہے ہیں اسیطرح لازم ہے کہ فقط ایک نسل کا اور ایک منجی کا لحاظ کریں تو اعمال میں تبدیلی ظاہر ہوگی۔ دشمنوں کے دوست بن جائینگے۔ عداوت صلح سے بدل جائیگی۔ رحم اور خیر خواہی قانون ہونگے۔ پس ملکی انتظام کی بنیادی جزو سے ثابت ہے کہ وہ اخلاق کی اُس حدِ افزائش مذکورہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ فقط الہامی مشاہدہ کی رو سے پہنچ سکتے ہیں +

دوسری بات یا قباحت جو ملکی انتظام میں معلوم ہوتی ہے یہہ ہے کہ ملکی حکومت محبت پر نہیں مگر زور پر مبنی ہوتی ہے پس جبکہ حکومت کی بنا ہی محبت پر نہیں تو وہ کیونکر باہمی محبت کی طرف رجوع کروا سکتی ہے۔ جسکا زور اُسی کا حق ہر حکومت کا اصول ہے۔ زور آور کمزور کو تابع رکھیں اگر ملکی انتظام محبت پر مبنی ہوتے تو فاتح اور مفتوح حاکم اور محکوم ظالم و مظلوم کون جانتا۔ ملکی انتظام حالتِ زور اور کمزوری کا نتیجہ ہے۔ ہم اُن قوموں اور خاندانوں کا ذکر کرتے ہیں جو دوسرے خاندانوں اور قوموں کو زور سے تابع کر چکی ہیں اور کرتی ہیں۔ اور جو قومیں دوسری کے تابع نہیں ہوئیں وہ اسلئے نہیں کہ محبت کا جوش طرفین کو اپنی اپنی حد میں قایم رکھے ہوئے ہے بلکہ طرفین کا زور اسکا موجب ہے کیا موسیٰ اور یسوع نے ملک کنعان پر محبت سے قبضہ کیا؟ کیا محمد کو

عرب کی بادشاہت بذریعہ محبت کے ہاتھہ آئی؟ کیا یہہ ملک ہندوستان اہل ہند نے محبت کے
مارے انگریزوں کے تابع کر دیا؟ نہیں۔ زور سے زور زور پر غالب آیا یا یوں کہیں کہ زور کمزوری پر غالب
آیا اسلیئے ملک مذکور مغلوب ہوئے دوسری قوموں کے تابع ہوئے۔ آج کے دن دنیا میں جس
حکومت کی طرف نگاہ کریں وہ اپنے تئیں ڈھال اور تلوار اور توپ اور بندوق سے محفوظ رکھتی ہے۔
یہہ محبت کے ہتھیار نہیں زور کا سامان ہیں؟ پھر غور کرو کہ نفی اطاعت اور خلاف رائے کے لئے
زور آور قوم سخت دھمکیاں اور سزائیں مقرر کرتی ہے۔ سب ملکوں میں بغاوت کا بذریعہ زور کے انتظام
کیا جاتا ہے نہ بذریعہ محبت کے۔ دنیا بھر میں وہ کونسا بادشاہ ہے یا ہوا جسنے دوسرے خاندان یا قوم
کو بذریعہ محبت کے تابع کیا؟ سنو شاہ نپولین کیا کہتا ہے۔ کہ سیزر اور سکندر اور چارلی مین نے
اور میں نے بڑی بڑی بادشاہتیں قایم کیں لیکن ہماری عقل کے نتیجے کس بات پر منحصر تھے؟ زور پر
راقم یہہ ضرور نہیں سمجھتا کہ ہر ملک کی دست اندازیوں کا ذکر کیا جاوے لیکن میرے کہنے کی تواریخ سے
تصدیق کر کے دیکھو۔ پس محبت کے لئے ملکی انتظام و حکومت پیش کرنا عجب غلطی ہے۔ ملکی انتظام
وہ قدرت نہیں جو انسان میں باہمی محبت بڑھاوے۔ اگر انسان محبت سے ایک دوسرے کے ساتھہ
سلوک کریں تو حکومتیں موقوف ہو جائیں۔ ہاں ملکی حکومت کا یہہ طور دل کو بدلنیوالا نہیں ہے۔ ایسی
حکومتوں کی نسبت اخلاق کے امیر المعلّمین یسوع مسیح نے فرمایا کہ جو تلوار چلاتے ہیں تلوار ہی سے مارے
جائینگے (متی ۲۶: ۵۲) یاد رہے کہ اب تک ہم نے عموماً قوم قوم اور بادشاہت بادشاہت
کی بنیاد اور باہمی سلوک کا حال معلوم کیا اور بنیاد بھی ایسی جو تا قیام زمانہ اُنکو ایک دوسرے سے
جدا اور مخالف رکھنیوالی ہے۔ باقی رہی ✣

تیسری بات کہ حکومت کرنیوالے شخص یا خاندان کا اپنی اپنی رعیت یا عام شرکائے

ملک کے ساتھہ کیا سلوک ہی۔ اور بھی زیادہ تر مفید امر ہی کیونکہ ہر شخص کے حال کے متعلق ہی۔ سو ملکی
انتظاموں کی تواریخ اور مشاہدہ سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ اُن میں ہر فرد بشر کے حق کی پروا نہیں۔ ہر جز و
کے آرام و حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ جو قانون ملک کے ذی حیثیت یا شخص یا خاندان کا ہے
بمعہ دیگر اُمرا ملک کے ہر ایک کے واسطے تجویز کرتے یا کریں اُسی پر ہر ایک سے اطاعت مطلوب
ہوتی ہی اور یہہ اسلئے کہ وہ اکثر مغلوب لوگ ہوتے ہیں۔ اور اس لایق نہیں سمجھے جاتے کہ اختیار والوں
کی صلاحوں میں اپنی رضامندی بھی ظاہر کریں۔ ادنیٰ قرار دیئے جاتے ہیں حقوق حکومت کے
سمجھے جاتے ہیں۔ اُن میں یہہ بات نہیں ہی کہ حاکم رعیت کا خادم ہی۔ وہ محکوم کو مخدوم نہیں مگر حاکم کو
مخدوم جانتے ہیں۔ اُنکے قانون حق اور راستی کے لحاظ سے نہیں مگر اپنی غالب مرضی سے قایم
کئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں ملکی انتظام انسانوں میں باہمی محبت کو ترقی نہیں دسکتے بلکہ خود
ترمیم و ترقی کے محتاج ہیں۔ اگر ہم قدیم اور بعض موجودہ حکومتوں کا حال دریافت کریں تو ہماری
باتیں ذرہ اچھی طرح سمجھہ میں آوینگی۔ چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہی +

دنیا کی حکومتوں کی تین عام قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔ (monarchy) یعنے
بادشاہت (arestocracy.) یعنے حکومتِ اُمرا اور (democracy.) یعنے
جمہوری سلطنت۔ بعض حکومتیں ان تینوں میں سے ایک قسم کے متعلق ہیں۔ اور بعض تینوں اور
بعض دو قسموں کو شامل کرتی ہیں۔ میں یہہ مان لیتا ہوں کہ جمہوری سلطنت میں اس قسم کی قباحت
کی کم گنجایش ہوگی۔ کیونکہ لوگ آپ ہی اپنے اوپر حکومت کرتے ہیں مگر جہاں بادشاہ اور اُمرا حکومت
میں۔ اور یا بادشاہ کُل مختار ہی وہاں ایسی قباحت کم و بیش ہوتی ہی اور پھر جہاں رعایا مفتوح ہی
وہاں تو امورہ مذکور کا کم لحاظ ہوتا ہی +

قدیم یونان میں جمہوری سلطنت تھی۔ اتھنز شہر کی حکومت اور سپارٹا کی حکومت۔ اتھنی کے باشندے تین جماعتوں میں منقسم تھے۔ آزاد۔ اجنبی اور غلام۔ آزاد باشندے صاحب استحقاق تھے اور حکومت فقط اُنہیں کے ہاتھوں میں تھی۔ اجنبی کو شہر میں تجارت کرنے کی اجازت تھی لیکن مجلس میں ان کی رائے (ووٹ) نہ تھی اور نہ وہ کسی عہدہ پر سرفراز ہو سکتے تھے غلام یا نوکر اُٹیکا کی آبادی کا بیشتر حصہ تھے۔ وہ ایک لاچار غلامی کی حالت میں تھے۔ سپارٹا کے رہنیوالے دو قسم تھے۔ باشندے اور غلام۔ فقط باشندے ہی عہدہ پر سرفراز ہو سکتے تھے۔ غلام آزادوں کی نسبت شمار میں زیادہ تھے۔ مگر اُنسے ہر قسم کی خدمت کروائی جاتی تھی۔ ناظرین خیال کریں کہ جن علاقوں میں لوگوں کی ایسی تقسیم تھی وہاں حکومت کا ڈھنگ کیسا ہوگا۔ وہ حکومت اخلاقی قدرت کیونکر ہو سکیگی۔ یونان کی حکومت جمہوری کہی جاتی ہے مگر مذکورہ قباحت کو خوب ثابت کرتی ہے۔ ڈاکٹر ووٹرس ٹرصاحب اپنے اصول تواریخ قدیم اور حال میں لکھتے ہیں کہ یونان کے سب صوبوں میں اور ہر زمانہ میں اخلاق کا دستور یا اندازہ کم یا ہیچ تھا۔ اور یونان کی تواریخ کے سب سے نامی آدمی اِسی بات کو خوب جانتے کہ اپنے ملک کو اقبال دیویں مخالف علاقہ کو عاجز کریں۔ یا فتح کے منصوبوں کو جاری رکھیں خواہ خون ریزی ہو خواہ تکلیف۔ زینافان اور پلی ٹو کی تصنیفات سے ظاہر ہے کہ اُنکے زمانہ میں حق اور ناحق۔ راستی۔ اور ناراستی۔ دیانت اور بددیانتی کی حدوں کا انفصال مسلم اصولوں کے ذریعہ سے نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر یہہ بات کہ خصوصاً سرکاری معاملات میں زور نہ حق دینیوالا ہے ایک عام مسلّم اصول تھا +

قدیم روم کی سلطنت بھی جمہوری ہوگئی تھی مگر رومی حکومت کی تواریخ پٹریشنس اور پلی بی انس کے مدامی جھگڑوں کی تواریخ ہے۔ پٹریشنس ہی مستحق حکومت تھے۔ اور

پلے بی انس عوام میں داخل تھے جنگ کے لئے کام میں لائے جاتے تھے مگر حکومت میں
شراکت کے لائق نہ تھے۔ آخر مدت کے بعد انہوں نے سر اُٹھایا اور بغاوت دکھائی۔ تو اُن کے
لئے اُنہیں میں سے دو حاکم مقرر کرنے کی تجویز ہوئی۔ جن کو پلے بی انس انتخاب کرتے
تھے اور وہ پلے بی انس کے ٹری بیون کہلاتے تھے۔ اور عوام کی ترقی اور حقوق کے محافظ
تھے۔ مگر یہہ ٹری بیون اپنی امانت میں وفادار نہ رہتے اور اپنی ذاتی عزت اور طاقت کی فکر میں
رہتے تھے۔ آخر رومی حکومت کا یہہ جمہوری طور پھر بادشاہی طرز پر ہوگیا۔ غرضکہ یہہ قدیم ریاستیں
عداوت اور جدائی کی موجب تھیں نہ کہ باہمی محبت کی۔ لیکن ہمیں اُن حکومتوں سے کیا کام ہے وہ
گذر گئیں معدوم ہوگئی ہیں۔ اور مغربی حکومتوں میں ایسے عیب تھے تو ہمیں اس سے کیا واسطہ ہے۔
ہم اپنے ایشیائی ملکوں کا حال دیکھیں کہ ان میں خوبی مطلوبہ ہے یا نہیں بس +

ہندوستان کی حکومت بادشاہوں کی تھی۔ ہمارے نامی مُقنن منو کے شاستر سے معلوم
ہوتا ہے کہ حکومت بادشاہ کے ہاتھ میں تھی وہی سات وزیر یا مشیر مقرر کرے جو جنگی ذات میں
سے ہوں۔ اور ایک برہمن اُسکا ہمراز مقرر ہو بادشاہ ہی مواضع کے سردار مقرر کرے۔ دس دس
گانو کے سردار۔ سو سو اور ہزار ہزار گانو کے سردار + مورخ الفنسٹون قوانین فوجداری کا بہت
بُرا حال لکھتا ہے۔ اُن میں ذات کا بہت لحاظ کیا گیا ہے۔ اعلیٰ ذاتوں کی زیادہ قدر ہے۔ سزاؤں
میں نہ صرف بے ترتیبی ہے بلکہ طرفداری بھی ہے۔ لوگوں کی رضامندی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پس جبکہ لوگ
اور بادشاہ اور دیگر حکام میں ایسی نسبت ہو تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کو ایسا پیار کرے
جیسا آپ کو +

حاشیہ + تواریخ ہند مصنفہ الفنسٹون صاحب۔ پہلی کتاب۔ دوسرا باب

محمدی سلطنت کی بابت کیا کہوں۔ اُس کی تو بنا ہی عداوت اور مخالفت ہے۔ کیا سلطان روم اور اُسکی رعایا میں دلی محبت ہے؟ نہیں۔ اسکا برخلاف ثابت ہے۔ رعایا کے ہر فرد کا کچھہ لحاظ نہیں۔ اسلام کے خلیفے دین اور دنیا کے کُل مختار بادشاہ تھے اور ہیں۔ اپنی مرضی پر عمل کروانا ایسے بادشاہوں کا اصول ہے۔ اگرچہ محمدی قانون کی روسے چاہئے کہ اسلام کا حاکم جماعت سے منتخب کیا جاوے مگر فی الواقعی اور عملاً بادشاہ کا عہدہ موروثی ہے اُس کی طاقت کُل مختار ہے۔ ہندوستان میں محمدی بادشاہوں کا قریباً ایسا ہی حال تھا۔ مگر ہندوستان میں محمدی حکومت کی تواریخ متواتر لڑائیوں کی تواریخ ہے۔ قرآن ان بادشاہوں اور خلیفوں کے لئے قانون انصاف ہے۔ مگر خلیفے خود ہی اُسکے قوانین کی شرح کرنیوالے تھے اور کوئی اُن کی شرح میں کلام نہیں کرسکتا۔ کوئی علما یا گروہ بادشاہوں کے اختیار کو روکنیوالا نہ تھا۔ سوائے اسکے کہ دیہاتی انتظام میں چھوٹے چھوٹے امور ایسے تھے جنکی نسبت بادشاہ کو گاہے اپنی مرضی تبدیل کرنی پڑتی تھی۔ † اب ناظرین خیال کریں کہ دنیا کی یہہ بڑی بڑی حکومتیں کیسی تھیں۔ امور مطلوبہ صدر ان کی روسے حاصل ہونے دشوار تھے اور ہیں۔ وہ جو راقم سے زیادہ تواریخ میں دخل رکھتے ہیں لکھتے ‡ ہیں کہ جب تک محمدی اپنے عقیدہ میں دفادار ہیں تب تک اُنکے لئے ناممکن ہے کہ جب وے حاکم ہیں تو اپنی غیر عقیدہ رعیت کو پوری برابری دیویں۔ اور جب وے رعیت ہوں تو کسی مخالف اعتقاد بادشاہ کی وفاداری سے اور دل سے اطاعت کریں۔ کیونکہ یہہ اُنکے لئے بیجا امر ہے کہ کس کی اطاعت کریں اور یوں اپنے ہدایت کی کتاب یعنے قرآن کے برخلاف عمل کریں۔ جسمیں غیر مذہب والوں اور نیز عیسائیوں سے لڑنے

حاشیہ † دیکھو تواریخ ہند مصنفہ الفنسٹون۔ کتاب ۸۔ باب ۲ ∴

‡ اسلام۔ مصنفہ سٹوبرٹ باب ۱۱ +

اور مغلوب کرنے کا حکم ہے۔ ایک سے جزیہ لینا اور دوسرے کو بقدر کرنا اسلام کو قبول نہ کرنے کا
انجام ہے۔ دیکھو سورہ توبہ آیت ۲۹۔ پس ملکی حکومتوں کی بنا اور عمل تو ایسے ہیں جیسا ہم نے اب تک
مختصر طور سے پیش کیا ہے اور وہ قدرت جس کی ہم تلاش میں ہیں نظر نہیں آتی۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکومتیں
اگرچہ بعض شرارتوں کو روکنے والی ہیں مگر بعض کی خود ہی موجب ہیں۔

اس موقع پر مجھ سے کوئی کہیگا کہ کیا زمانہ حال میں یورپ کے بادشاہ اور رعایا محبت کی راہ
سے ایک دوسرے کے خیرخواہ نہیں ہیں کیا انکے کام میں باہمی محبت مشترک اصول نہیں ہے؟ کیا ان ملکوں
میں زور کو حق نہیں مگر حق کو زور نہیں سمجھا جاتا اور یوں لوگ راستی اور انصاف سے
ایک دوسرے کے ساتھ برتتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ اگر یہہ باتیں حکومت کا نتیجہ قرار دیجاتی ہیں
تو صریح غلطی ہے۔ یہہ حکومت کی خوبی نہیں۔ اور بالفرض اگر یہہ حسن تدبیر بعض ملکوں میں ہو تو واضح
ہو کہ جب تک یہہ امر حکومت کے ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش ہوتی رہی تب مطلق حاصل
نہ ہوا حکومت سے اخلاق درست نہیں ہوتا بلکہ اخلاق سے ملکی انتظام درست ہوتا ہے۔ جب یہہ درست
نہ ہوں تو ملک میں جھگڑے اور فساد اور خونریزی کا بازار گرم رہتا ہے۔ پس اگر یورپ میں ہر فرد
کی قدر ہے۔ لوگ حکومت میں شریک ہیں۔ بادشاہ مخدوم نہیں خادم ہیں تو یہہ کس بات کا اثر ہے؟
شایستگی کا نہیں کیونکہ شایستگی خود ایک نتیجہ ہے نہ کہ سبب۔ پھر اسبات کا سبب کیا ہے؟ بے شک
عیسویت ہے وہ کسی ایک قوم یا خاندان کو دوسرے پر حقدار نہیں ٹھہراتی جیسا ملکی حکومت کرتی ہے
وہ ہر انسان کی بیش بہائی کو پیش کرتی ہے۔ کہ آدمی کو کیا فائدہ ہوگا اگر ساری دنیا کو حاصل کرے اور
اپنی جان کا نقصان اٹھاوے وہ اپنی جان کے بدلے میں کیا دیگا؟ اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہر روح کو
خدا کے سامنے بیش قیمت ٹھہراتی ہے۔ اور پھر تاکید سے یہہ امر پیش کرتی ہے کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا

ہر انسان کے لئے کفارہ ہوا۔ زورآور اور کمزور کے لئے اونچ اور نیچ کے لئے۔ امیر اور غریب کے لئے قربان ہوا۔ اس بات سے بھی ظاہر کرتی ہی کہ ہر شخص خدا کے سامنے برابر حق رکھتا ہی۔ اگر یہہ نہ ہوتا تو مسیح کسی خاص قوم یا قوموں کے لئے قربان ہوتا۔ اِسلئے مکرر سہ کر حکم ہوا ہی کہ ایک دوسرے کو حقیر نہ جانو بلکہ سب کی عزت کرو۔ جب سوسایٹی نے بلحاظ خاندان یا قومیت کے ایک کو دوسرے سے علحدہ سمجھا اور اُسکے ذاتی حق کو زور سے ضایع کیا۔ حاکم اور محکوم بن گئے تو عیسویت نے اِسمیں اِس طرح اصلاح کی کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو۔ سوسایٹی کی ملکی ترقی کی نئی بنا ڈالی کہ جو تم میں بڑا ہوا چاہے وہ سب کا خادم ہووے۔ کیونکہ غیر قوموں کے حاکم اُنپر حکومت جتاتے اور اختیار والے اُنپر اپنا اختیار دکھاتے ہیں۔ پر تم لوگوں میں ایسا نہ ہوگا (متی ۲۰: ۲۵ و ۲۶) یہی سبب ہی کہ ملکوں مسیحی میں بعض حکومتیں ایسی ہیں کہ حاکم رعایا پر اختیار و حکومت نہیں دکھاتے بلکہ خادم ہیں لوگوں کو بادشاہ کے لئے نہیں مگر بادشاہ کو لوگوںکے لئے جانتے ہیں۔ انگلنڈ اور امریکہ کا یہہ اصول ہی +

الحاصل وہ بات جو انسانی اخلاقی ترقی اور شایستگی کے سدِّراہ ہی یعنی ملکی حکومتوں کی وہ خاصیت جو نسل کی قید اور زورآور کی خونی تیغ پر مبنی ہی عیسویت سے خاطر خواہ دفع ہوتی ہی۔ اور یوں عیسویت ملکی حکومت میں ترمیم کرتی جسکو ارسطو نے تعمیل و ترقی اخلاق کا ذریعہ بتلایا تھا۔ یاں انجیل کی رو سے برٹانیہ اور امریکہ کے آزاد اور افریکا کے غلام۔ محمدی کُل مختار اور محمدی غلام۔ ترکی اور روسی۔ رومی پٹری کشن اور پلے بی آن۔ ہمارے ہندوستان کے نامی شارع منو کے برہمن اور چھتری اور شودر اور ویس ایک جمہوری سلطنت میں آجاتے ہیں جسمیں ملکی حکومتوں والی باتیں مندارد ہیں۔ محبت اور راستی اس کے قانون ہیں۔ خدا بادشاہ ہوا اور

بنی آدم سب بھائی ہیں۔ اور آخر کار اس طرح دنیا کی بادشاہتیں ہمارے خداوند اور اُسکے مسیح کی ہوگئیں اور وہ ابد تک بادشاہت کریگا۔ مکاشفات ۱۱: ۱۵ +

چوتھی اور ضروری بات یہہ ہے کہ پیشتر اس سے کہ دنیاوی حکومت خواہ کسی قسم کی ہو نیکی کی طرف مایل کر سکے ضرور ہے کہ امور نیک و بد اور حق و ناحق کی نسبت صحیح علم رکھتی ہو۔ انسان کے آسمانی اور زمینی فرایض کو صحتاً جانتی ہو کیونکہ اگر بادشاہ اُن باتوں سے ناواقف ہو تو اُسکے قوانین اور حکومت کا میلان انکے برخلاف ہوگا اور اگر لوگ ہی اِن باتوں سے کم واقف ہوں تو جمہوری حکومت کے آئین کی بھی خلاف صورت ہوگی۔ اب ہم جانتے ہیں کہ اُن فرائض کا مُعلّم مذہب ہے اور مذہبوں میں صحیح علم اخلاق کی بابت ہم پہلے مقصد میں مُفصّل لکھ چُکے ہیں جس سے ظاہر ہوا تھا کہ کوئی مذہب صحیح تعلیم نہیں دیتا۔ یہہ جوہر فقط دین عیسوی میں ہے۔ پس تو اس وجہہ سے بھی فقط دین عیسوی ہی اخلاقی قدرت ٹھہرتا ہے۔ اُس سے حاکم تعلیم پاویں تو صحتاً نیکی کی طرف مایل کرنے کے قابل ہونگے +

ایک سوال

بدی سے باز رکھنے اور نیکی کیطرف مایل کرنے کا ذریعہ سزا یا تکلیف ہے اِسکے ذریعہ سے دوسروں کو بھی عبرت ہوتی ہے اب چونکہ حکومتیں لوگوں کو بدی سے باز رکھتیں اور نیکی کیطرف مایل کرنے کے لئے یہہ طریق برتتی ہیں تو کیونکر اُنکو قدرت عمل کروانے کی نہ مانا جاوے؟ اِسی تدبیر سے والدین بچّوں کو درست کرتے اور اپنے انتظام الٰہی میں خدا بھی اسی طریق کو استعمال کرتا ہے اور یہی طریق حکومتیں عمل میں لاتی ہیں اسوجہہ سے حکومتیں اخلاقی قدرت ہیں۔ کیونکہ یہی طریق بدی سے روکنے اور نیکی کی طرف مایل کرنیوالا معلوم ہوتا ہے +

میں مان لیتا ہوں کہ والدین بچّوں کو شرارت کی سزا اور بھلائی کا اجر خواہ کسی قسم کا ہو

دیتے ہیں کچھہ مضایقہ نہیں کہ اُنکا اپنا علم امور نیک و بد کی نسبت کیسا ہی ہو۔ یہی بس ہی کہ وہ انکے
بعض کاموں کی سزا دیتے اور بعض کی تعریف کرتے ہیں تاکہ اُنکو اپنی سمجھہ کے موافق بُرائی سے
پھیریں اور نیکی کی طرف مائل کریں۔ اور اِس ترتیب کی بائیبل میں بھی تاکید آئی ہی۔ امثال
۲۳ : ۱۳۔ لڑکے کی تادیب سے دست بردار مت ہو کہ اگر تو اُسے چھڑی ماریگا تو مر نہ جائیگا۔
اور بھی دیکھو ۱۹ : ۱۸ دنیا کی حکومتیں بھی اپنی اپنی سمجھہ کے موافق حق کی ترغیب اور ناحق کی
سزا دیتی ہیں۔ اور اُنکا یہہ کرنا بھی خدا کی طرف سے کہا گیا ہی۔ نامہ رومیوں باب ۱۳۔ اسیطرح
خدا بھی اپنے انتظام کے کاموں میں یا یوں کہیں کہ اپنی اخلاقی حکومت میں بدی سے ناراضگی
بذریعہ سزا کے ظاہر کرتا ہی اور بھلائی کا انجام خوشی و آرام ٹھہراتا ہی۔ اگرچہ خدا نے انسان میں
اعلیٰ اور ادنیٰ خواہشیں دی ہیں مگر اُس میں یہہ سوچ اور دوراندیشی بھی ڈالی ہی اور اسکے باہر
مناسب سامان بنایا ہی کہ انسان اپنے اور دوسروں کے تجربہ سے اپنے اپنے کاموں کا انجام
جان سکتے ہیں۔ معلوم کرتے ہیں کہ یوں کرنے کا انجام خوشی ہوگا اور ووں کرنے کا انجام دُکھہ اور
رنج ہوگا۔ اور فی الحقیقت ایسا ہی ہی کہ ایک طرح کام کرنے کا نتیجہ دُکھہ اور رنج ہوتا ہی اور دوسری
طرح کرنے سے خوشی و آرام ہوتا ہی۔ ظاہراً محنت کا اجر ہی اور کاہلی کی سزا ہی۔ خدا نے انتظام
نیچر ایسا ہی ٹھہرایا ہی کہ اگر انسان اپنی خواہشوں کو پورا کرنے میں جائیز اور ترتیب
سے دائیں بائیں ہو جاوے تو انجام تکلیف اور خرابی ہی۔ سزا لازمی ہی۔ اِس طریق سزا و جزا سے
خداوند کریم بنی آدم کو جتاتا ہی کہ کونسی بات یا کام اُسے پسند ہی اور کون ناپسندیدہ ہی۔ غرضکہ
سوال پیش شدہ صحیح تو ہی اور تکلیف و سزا بدی کی طرف سے ہٹانے والے ہیں اور آرام اور خوشی
بھلے کاموں کی طرف کھینچنے والے ہیں مگر اب میرا سوال ہی کہ کیا یہہ سہ گونہ تکلیف انسان کو

بدی سے متنفر کر دیتی ہے؟ کیا خوف سزا سے وہ نیکی کا خواہاں اور عاشق ہو جاتا ہے؟ یا ہو سکتا ہے؟ تجربہ اور الہام کی رو سے ہم کہتے ہیں کہ نہیں۔ البتہ اگر ہر ایک انسان کے ہر ایک بد کام اور بد خیال و کلام کی سزا ہمیشہ ساتھوں ساتھ ہوتی تو عجب ہے کہ بدی کی محبت زایل ہو جاتی۔ مگر تکلیف یا سزا کی عدم یکسانی اور بے ترتیبی کسی کو ہوئی اور کسیکو نہ ہوئی اور ایک خطا کی ہوئی اور دوسری کی نہ ہوئی گناہ کی اس سزا سے انسان کو بے پروا کر دیتی + ہے اور گناہ کا عشق غالب رہتا ہے۔ اور پھر اس سزا کا عارضی ہونا اسکی تاثیر کو اور بھی کمزور کر دیتا ہے۔ ای ناظرین میری ان باتوں کو انسانوں کی زندگی سے مقابلہ کر دیکھو کہ فی الواقعی ایسا ہی ہے یا نہیں ہاں جسطرح عقل خداداد انسان کی رہنمائی میں قاصر ہو گئی اُسی طرح یہہ تجربہ سزا اور تکلیف کا اصلاح گناہ میں قادر نہیں نظر نہیں آتا۔ ناکامیاب ہے +

علاوہ اسکے واضح ہو کہ جسمانی خواہشوں کی بدوضعی کی تو جسمانی سزا ہو بھی جاتی ہے۔ زنا اور چوری اور خون کا انجام گرہی یا قید یا پھانسی ہوتا ہے۔ مگر خواہش اور عمل بت پرستی کے لئے کونسی فطرتی یا غیر قسم کی سزا دیجاتی ہے؟ جبتک خداوند آپ نہ بولے کہ فلاں جسمانی سزا بت پرستی کے عوض میں ہے تب تک انسان خود ہی کسی جسمانی تکلیف کو اس تجاوز کی سزا معلوم نہیں کر سکتا۔ اور فرایض الہی کی نسبت دلیری سے اور

حاشیہ + اس عدم یکسانی کی بائبل سے بھی شہادت ملتی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ از بسکہ بُرے کام پر سزا کا حکم فی الفور دیا نہیں جاتا اسلئے بنی آدم کا دل اُنمیں بدکاری پر بشدت مایل ہے۔ واعظ ۸: ۱۱ سب کچھہ جو ہوتا سبھوں پر یکساں گذرتا ہے صادق اور شریر کا نیکو کار اور پاک اور ناپاک کا۔ اُسکا جو قربان لاتا اور اُسکا جو قربان نہیں لاتا یکساں حال ہے۔ جیسا نیکو کار ہے ویسا خطا کار ہے وغیرہ۔ نہ سبقت دوڑاہے کے لئے اور نہ فتح زور آور کے لئے۔ بلکہ نہ روٹی دانشمند کے لئے نہ دولت فہمید والوں کے لئے نہ عزت اہل خرد کے لئے ہے۔ بلکہ اُن سب کے لئے جیسا اُسوقت یوں ہونا تھا سو ہوا۔ واعظ ۹: ۲۔ ۱۱ +

بلا روک ٹوک سست اور بے پروا رہتا ہے۔ قوم بنی اسرائیل کو بت پرستی کے لئے ایسی سزا وقتاً فوقتاً دی جاتی تھی۔ اور اِس لئے وہ اُس سے باز بھی آجاتے تھے۔ اُنکو ایسی حرکت کی سزا کی خبر دیجاتی تھی۔ مگر سب قوموں میں ایسا نہ تھا اور نہ ہے۔ اِس بات میں تجربہ بالکل سست ہے اِسلئے ضرور ہے کہ اخلاقی قدرت کی کہیں اور تلاش کریں +

دفعہ ۳

عیسویت اخلاقی قدرت ہے

واضح ہو کہ بنی آدم راستی سے بہت دور بھٹک گئے ہیں۔ اور ہمیشہ اور ہر طرف بے شمار آزمائشوں اور گمراہیوں میں پڑتے اور پڑنے کے قابل ہیں۔ اِسلئے ضرور ہے کہ اُنکو وہ راہ بتلائی جاوے جسکے ذریعہ سے وے راستی کا پتا لگا سکیں اُنکے ضمیروں کا سست ہو جانا اور اخلاقی دھوندلاپن اِسبات کے متقاضی ہیں کہ اخلاقی تبدیلی کے وسیلے بتلائے جاویں وہ شے بتلائی جاوے جو بھلائی کی طرف مائل کرے۔ اور روح کو نفسانیت کے مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے۔ اور دنیا کے فریبوں سے بچائے رکھے۔ ہاں ایسی طاقت کا پتا لگایا جاوے جو کمزوری میں مدد دیوے۔ وہ ذریعہ وہ حافظ اور وہ طاقت عیسویت ہے۔ اور صرف عیسویت ہی ہے اور کوئی مذہب نہیں +

انسان کی موجودہ حالتِ گناہگاری اور ناپاکی میں نیکی کے بجائے بدی بہت پسند ہے اسلئے انسان کی ایسی طبیعت کو اخلاقی عمدگی اور خوبی کی طرف پھیرنا اور قایم رکھنا ازحد دشوار ہے۔ ہم یہہ بات مان سکتے ہیں کہ ہر ایک مذہب کی تعلیم اپنے میں کسیقدر طاقت رکھتی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچے اور ویسے ہی عمل کرا دے۔ مگر یہہ طاقت کسی مذہب میں نہیں دیکھتے اور نہ پڑھتے ہیں کہ وہ اخلاقی نیکی کی طرف رجوع کروانے اور عمل کروانے میں قادر ہوں یسب مذاہب میں بہت باتیں ایسی پیش کی گئی ہیں جو انسان کی نفسانیت کو خوش کرنیوالی ہیں۔ اور اُس کی گناہ والی

حالت کے عین موافق ہیں اور اسلئے دلکش معلوم ہوتی ہیں اور دنیا کے لوگ بہت جلدی اسکے پھیر میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ محمد کی تعلیم باہمی برتاؤ کی نسبت ایسی ہی جو گنہگاروں کو اچھی لگتی ہی اور ایسے دلوں کو ایسی تعلیم بہت زور کے ساتھ اپنی طرف کھینچتی ہی جب ایسی تعلیم کے ساتھ ثواب آخرت بھی لازمی ٹھہرایا جاوے۔ ہمارے ہندوستان کے وید مذہب میں بہت زور نہیں معلوم ہوتا کیونکہ مدت سے بعضے لوگ اسکی بناپر اور بعضے اس سے منحرف ہوکر طرح بطرح کے طریقوں اور فرقوں میں بٹ گئے اور ویدوں کو چھوڑ دیا اور جنہوں نے اُنکو ماننا قایم رکھا وہ سوا نیچر پرستی کے زیادہ حاصل نہ کرسکے اور باہمی برتاؤ میں عداوت قتل کرنا مقدم تعلیم ہی۔ پاکیزگی کیا ہی اور کیونکر حاصل ہو ان مذاہب میں ذکر نہیں۔ صرف نفسانی اور عقلی یا خیالی باتوں سے بھرے ہیں + ایسے مذہب کبھی انسان کو اخلاق کی طرف نہیں پھیر سکتے۔ اُن کی پیروی میں انسان ہرگز پاکیزگی کا قدردان نہیں ہوسکتا۔ جو ظاہری باتوں اور رسموں اور معاشرت پر دین کا اور اخلاق کا مدار رکھتے ہیں۔ غرض کہ دیگر مذاہب کا اور عیسویت کا لوگوں کو اپنی اپنی طرف کھینچنا یا یوں کہیں کہ اخلاقی نیکی کی طرف مائل کرنا بہت فرق رکھتا ہی۔ اس فرق کو یاد رکھیں اور دل سے ڈال نہ دیں +

واضح ہو کہ سوسائٹی کی موجودہ حالت میں اخلاقی صلاحیں اور ہدایتیں بجائے خود بے زور ہونگی اگر اختیار کے ساتھ نہ ہوں۔ لہذا یاد رہے کہ انجیل کی اخلاقی تعلیم صرف داناؤں کی صلاحیں نہیں جو انسان کے دل پر چنداں اختیار اور زور نہیں دکھا سکتیں۔ اور نہ انسانی ملکی

حاشیہ + واضح ہو کہ ہم قرآن والے مذہب کا بیان اپنی دیگر کتب میں خاطرخواہ کرچکے ہیں پس شائقین اُنکو پڑھیں اور وید مذہب کا احوال ہم علیحدہ کتاب میں مفصل بیان کرینگے +

قانون کی طرح ہیں جسکی پشت پناہ ملکی حکومت ہو جو انسان کے دل کو جانچ نہیں سکتی اور سوسائٹی کے صرف ظاہری انتظام اور ترتیب کی پروا رکھتی ہی اور بعض اوقات ملکی نفع کے لئے اخلاقی اصولوں کو ضایع ہونے دیتی یا اُنسے بے پروا اور بے لحاظ رہتی ہی۔ مگر انجیل کی اخلاقی تعلیم خدا کے حکم و اختیار سے ہی جو اخلاقی اصولوں کو کسی سبب ضائع نہیں ہونے دیتا اور جسکے آگے انسان کے دل کی پوشیدہ باتیں اور پنہانی خیال اور ارادے ظاہر ہیں۔ اور خدا کے احکام صرف صلاحیں نہیں لیکن تعمیل کو فرض ٹھہراتے ہیں۔ پس خدا کی طرف سے ہونے کے سبب وہ انسان پر ایسا زور رکھتے اور اختیار رکھتے ہیں کہ انحراف میں خطرہ ہی۔ لیکن خدا نے انجیل کی تعلیم کو اور طرح بھی پر زور کیا ہی جسکو انسان اچھی طرح سمجھ سکے اور اُسکے مطابق اپنی طبیعت کو پھیرے ✣

(۱) عیسویت خدا کو پاک اور راست بتلاتی ہی اور خدا کی طرف سے یہہ ظاہر کرتی ہی کہ تم پاک بنو کیونکہ میں پاک ہوں۔ ۱ پطرس ۱: ۱۵ و ۱۶۔ کامل ہو جیسا تمہارا باپ جو آسمان پر ہو کامل ہی (متی ۵: ۴۸) پاک نوشتوں یعنے بائبل سے یہہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ وہ سب جو بُت بناتے ہیں اور وے سب جو اُنکا بھروسا رکھتے ہیں اُنہیں کی مانند ہیں۔ زبور ۱۱۵ - ۸ دنیا کی دینی تواریخ سے ظاہر ہی کہ ہر زمانہ میں عابد اپنے معبود کے مانند ہو جاتے ہیں۔ جیسے معبود ہوتے رہے ویسی اُن کی کشش کے نتیجے ہوتے رہے۔ اِسلئے عیسویت انکے برخلاف یہہ قوی وجہہ عمل کی پیش کرتی ہی تاکہ بنی آدم اپنے معبود خدائے خالق کی مانند پاک اور راست ہو جاویں۔ تمام بت پرستی اور مخلوق پرستی اور بداعمالی کے برخلاف خدا پرستی اور خلاق کی طرف مائل کرنے کی سب سے قوی وجہہ یہی ہی ✣

(۲) عیسویت خلاقی تعلیم دینے میں مثلاً یہہ کہنے میں کہ مبارک وے جو پاک دل ہیں۔

پاکیزگی کی پیروی کر - تو اسکو دلیل یا وجہہ مناسب کے ساتھہ پیش کرتی ہی - کیونکہ وے خدا کو دیکھینگے - اور بغیر اسکے کوئی خداوند کو نہ دیکھیگا متی ۵ : ۸ - عبرانیوں ۱۲ : ۱۴ - عیسویت کُل اخلاقی تعلیم کو اس خلاصہ میں پیش کرتی ہی - یسوع نے اُسے کہا خداوند کو جو تیرا خدا ہی اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھہ سے پیار کر - پہلا اور بڑا حکم یہی ہی - اور دوسرا اسکی مانند ہی کہ تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو - انہیں دو احکام پر سارے شرع اور نبیوں کی باتیں موقوف ہیں (متی ۲۲ : ۳۷ - ۴۰) تو اُسکی دلیل یا وجہہ مناسب یہہ پیش کرتی ہی کہ محبت وہ ہی جو اپنے پڑوسی سے بدی نہیں کرتی - اسواسطے محبت رکھنا شریعت کا پورا کرنا ہی - مگر کیوں پڑوسی سے بدی نہ کریں اور بجائے اسکے محبت رکھیں تو اسکی دلیل کو اِس زور کے ساتھہ پیش کرتی ہی - تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہی فرزند ہو - کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر اُگاتا ہی اور راستوں اور ناراستوں پر مینھہ برساتا ہی (متی ۵ : ۴۵) یوں ہم معلوم کرتے ہیں کہ عیسویت اخلاق کو قدرت کے ساتھہ پیش کرتی جو انسان کے دل کو قایل اور مایل کرنیوالی ہی - اور انسان پر اخلاقی ترقی کو واجب ٹھہراتی ہی +

عیسویت خدا کے ایک اور قسم کے احسان کو پیش کرتی ہی جس کے سبب متقاضی ہی کہ مسیحی پاک بنیں اور محبّت رکھیں - دیکھو کیسی محبّت باپ نے ہم سے کی کہ ہم خدا کے فرزند کہلاویں (الوحنا ۳ : ۱) پس تم عزیز فرزندوں کی طرح خدا کے پیرو ہو (افسیوں ۵ : ۱) پھر تم داموں سے خریدے گئے - پس تم اپنے تن سے اور اپنی روح سے جو خدا کے ہیں خدا کی بزرگی کرو (اقرنتیوں ۶ : ۲۰) اِن آیات سے ظاہر ہی کہ خدا کی بہ سبب خالق اور منجی ہونے کے بزرگی کریں اور اُس کی پیروی کریں اسکے اِن احسانوں کے سبب خدا کو جانیں اور مانیں - خدا کی طرف راغب کرنے کی کیسی قوی وجہہ ہی - اور پھر خدا کی محبّت جو ہم سے ہی اِس سے ظاہر ہوئی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں

بھیجا تاکہ ہم اُسکے سبب سے زندگی پاویں۔ جبکہ خدا نے ہم سے ایسی محبّت رکھی تو لازم ہی کہ ہم بھی ایک دوسرے سے محبّت رکھیں (۱ یوحنا ۴۔ ۹ و ۱۱) اگر انسان سوچے اور غور کرے تو معلوم کریگا کہ عیسویت انسان کو اخلاق کی طرف مائل کرنے کے لئے نہایت قوی وجہہ پیش کرتی ہی۔ اور یوں اپنی پیروی کو لازمی اور واجبی ٹھہراتی ہی۔ یاد رہے کہ جو کام محبت سے ہوگا اُسمیں صدق اور وفاداری اور پایداری ہوگی۔ کیونکہ محبّت موت سے بھی زبردست ہی (رومیوں ۸ : ۳۵۔۳۹ اور ا قرنتیوں ۱۳ : ۱۳) ان باتوں سے عیسویت نہایت زور کے ساتھ انسان کو مجبور کرتی ہی کہ وہ خدا کو مانے اور پاکیزگی کی پیروی کرے اور محبّت رکھے اور یوں خداے پاک کی شریعت کو پورا کرے ؞

(۳) عیسویت کا بانی خداوند یسوع مسیح اخلاق کا کامل نمونہ ہوکر عیسویت کو خلاقی قدرت ٹھہراتا ہی۔ اُسنے فرمایا کہ مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم اور دل سے خاکسار ہوں تو تم اپنے جیوں میں آرام پاؤگے (متی ۱۱ : ۲۹) تمہارا مزاج وہی ہووے جو یسوع مسیح کا تھا۔ (فلپیوں ۲ : ۵ وغیرہ) انجیل میں بہتیری جگہہ یہہ مضمون پیش کیا گیا ہی۔ دیکھو افسیوں ۵ : ۲ و ۳۔ یاد رہے کہ مسیح خدا کی صورت میں ہوکر اپنے میں وہ خوبیاں رکھتا تھا جنمیں ہم نادیدنی خدا کی خوبیوں کو دیکھہ سکتے اور اُنکے موافق پیروی کرسکتے ہیں۔ یہہ نمونہ محض تعلیم سے زیادہ زور رکھتا ہی۔ اور دیگر مذہب میں اگر کبھی کہیں کسی موقع پر اتفاقاً کوئی اچھی تعلیم نظر پڑتی ہی مگر اخلاق کا ایسا کامل نمونہ ہر ایک میں نادر ہی۔ جو لوگ دیگر مذاہب کے بانیوں کو نیک نمونہ بتلاتے ہیں وہ یہہ بھی یاد رکھیں کہ ان کے نیک ہونیوالی نیکیاں بھی کچھہ اور ہیں ؞

(۴) اخلاق میں ترقی کروانے کیواسطے عیسویت انسان کی کمزور حالت میں الٰہی مدد کا وعدہ کرتی ہی۔ مثل دیگر مذاہب کے انسان کو اپنی کمزوری کے بھروسے پر نہیں چھوڑتی لیکن خدا

کی روح کی ہمراہی کا یقین دلاتی ہے۔ یہہ امر انسان کو اخلاق کی طرف مائل اور عمل پر آمادہ کرنے کے لئے قوی تحریک ہے یہہ الٰہی مدد انسانی طاقتوں کو طرح بہ طرح ظاہر اور پوشیدہ طور سے تقویت دیتی ہے۔ یاد رہے کہ اخلاقی ترقی میں ایسی مدد کا وعدہ اور یقین ہم کسی اور مذہب سے حاصل نہیں کرتے۔ صرف عیسویت میں یہہ قدرت پائی جاتی ہے۔ خدا ہی ہے جو تم میں اثر کرتا تاکہ تم اُس کی نیک مرضی کے مطابق چاہو اور کام بھی کرو (نامہ فلپیوں ۲: ۱۳) اور اُسی میں بھی ہوکے تم نے جو ایمان لائے روح قدس کی جسکا وعدہ ہوا مُہر پائی۔ وہ ہمارے میراث پانے کا بیعانہ ہے جب تک خریدے ہوؤں کی خلاصی نہ ہو تاکہ اُسکے جلال کی ستایش ہووے (افسیوں ۱: ۱۳ و ۱۴) اب اسکو جو ایسا قادر ہے کہ جو کچھہ ہم مانگتے یا خیال کرتے ہیں اُس سے نہایت زیادہ اُس قدرت کے موافق جو ہم میں تاثیر کرتی کر سکتا ہے اسکو کلیسئے کے درمیان مسیح یسوع میں پُشت در پُشت ابد تک جلال ہووے۔ آمین (افسیوں ۳: ۲۰ و ۲۱) اور بھی دیکھو اقرنتیوں ۲۱: ۳-۱۳۔ دیکھو جسم اور روح کے پھلوں کا مقابلہ نامہ گلیتیوں باب ۵۔ اور نامہ افسیوں ۵: ۹۔ ان مقاموں سے ظاہر ہے کہ جو مسیح یسوع پر ایمان لاتا اُسمیں اخلاقی ترقی کے واسطے خدا کی روح کی مدد بخشی جاتی ہے۔ اور اس سے یہہ بھی ظاہر ہے کہ سوائے عیسویت کو قبول کرنے کے اخلاقی ترقی محال ہے اور مسیح میں ہونا اسلئے ہے کہ اچھے کام کریں (افسیوں ۲: ۱۰) پس اگر بنی آدم اور خصوصاً میرے اہل وطن خواہاں ہیں کہ اخلاقی ترقی کریں تو مسیح میں شامل ہوویں تو اس موجودہ کمزور حالت میں اِس ترقی کے لئے الٰہی مدد ملیگی۔ یاد رہے کہ جس میں ایسی مدد موجود ہے وہ اخلاقی قدرت ٹھہری یا نہ ٹھہری۔ اسلئے ہم کہتے اور مانتے ہیں کہ عیسویت ہی اخلاقی قدرت ہے ❋

اِس موقع پر اسبات کو واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی روح کا انسانی روح پر اثر کرنا

کچھ انہونی بات نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہتیروں کو یہ تعلیم انہونی اور حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے اور بعضے مسیحی اس امداد الٰہی کی نسبت بھی سست خیال ہیں اور یہی ایک بڑی بھاری بات جسکے نہ ہونے سے اخلاقی ترقی میں بڑے بڑے قصور واقع ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ انجیل میں یہہ تعلیم انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی اور بہتری کے لئے بڑی اور ضروری باتوں میں بیان کی گئی۔ لازم تھا کہ اس مدد کے لئے خداوند کریم کے شکر گذار ہوتے مگر کہتے ہیں کہ کس طرح خدا کی روح انسانی روحوں پر اثر کرسکتی ہے؟ اس فلاسفی کے زمانہ میں لوگوں کو اپنی کیوں اور کسطرح کا جواب پائے بغیر تسلی نہیں ہوتی۔ پس واضح ہو کہ تجربہ اور تواریخ اسبات کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے پر اثر کرتا ہے۔ جب کسی مصنف کی کتاب پڑھتے اور اُس کی معلومات اور تحقیقات اور خیالات کو معلوم کرتے اور جانچتے ہیں تو وہ پڑھنیوالے پر کسی نہ کسی قسم کا اثر کرتے ہیں۔ اُس سے یا تو اتفاق یا تبدیلی یا اصلاح ظہور میں آتے ہیں۔ اور مصنف کا بھی یہی مطلب ہوتا ہے کہ میری باتوں کا اوروں پر اثر ہو۔ کسی شخص کے ساتھ خط و کتابت کرنے سے بھی یہی حاصل ہوتا ہے کہ ہم اسکے خیالوں یا ارادوں پر اثر کریں اور وہ ہمارے خیالوں اور ارادوں پر۔ اگر روبرو گفتگو کریں تو بھی یہی مطلب حاصل ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے خیالوں کو بدلتے ہیں۔ ہر طرح سے ایک انسان دوسرے پر اثر کرسکتا ہے۔ ایک عقل دوسری عقل پر۔ ہاں روح روح پر اثر کرتی ہے۔ حالانکہ ہر ایک روح اپنی جگہہ آزاد شخصیت اور سوچ رکھتی ہے۔ اب کیا ہم سمجھہ نہیں سکتے کہ خدا کی روح ہماری روحوں پر اثر کرسکتی ہے؟ وہ خدا جسکے وسیلے سے ہم چلتے پھرتے اور موجود ہیں بے شک ہمارے دلوں پر اثر کرسکتا ہے۔ یہہ کچھہ رکاوٹ نہیں کہ وہ نادیدہ ہے اور جس طرح انسانوں میں کتاب یا خط یا گفتگو باہمی اثر اور تبدیلی یا اصلاح کا ذریعہ ہوتے ہیں اُسیطرح ایماندار

کی گفتگو اور خط وکتابت اپنے خالق اور آسمانی باپ کے ساتھہ انجیل اور ایمان اور دعا کے ذریعہ سے ہوتی ہی۔ اور خدا کی طرف سے روحانی ترقی کے لئیے روح کی مدد ملتی ہی۔ باوجود اِس بیان کے یاد رہے کہ ہم یہہ بیان نہیں کر سکتے کہ خدا کی روح انسان کی روح پر کس طریق سے اثر کرتی ہی اسکا طریق عمل ہم سے پوشیدہ ہی۔ اگرچہ اسکا نتیجہ نہ صرف ممکن بلکہ فی الواقعی اور ضروری ہی۔ چنانچہ روح کے پوشیدہ عمل کی بابت خداوند یسوع نے فرمایا کہ ہوا جدھر چاہتی ہی چلتی ہی اور تو اُس کی آواز سُنتا ہی پر نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتی اور کہاں کو جاتی ہی ہر ایک جو روح سے پیدا ہوا ایسا ہی ہی (یوحنا ۳ : ۸) یعنے نتیجہ ظاہر ہوتا ہی مگر عمل چھپا رہتا ہی۔ الحاصل انسان اپنی اِس کمزور حالت میں روحانی ترقی میں کوشش کرنے اور کامیاب ہونے کے لئیے یہہ آسمانی مدد پاتا ہی۔ اِس لئیے عیسویت اخلاقی قدرت ثابت ہوتی ہی۔ جس کے موافق عمل کرنے سے انسان اخلاق اور روحانیت میں ترقی کر سکتا ہی +

(۵) تاکہ انسان اخلاق میں ترقی کرے اور پاک زندگی بسر کرے اسکے لئیے ایک وجہہ شوق دلانے اور دل کو مستعد اور راغب کرنے کے لئیے یہہ پیش کرتی ہی کہ اگرچہ ہم اِس دنیا میں رہتے ہیں مگر ہمارا اصلی گھر آسمان ہی اور اُس میں جانے کے واسطے پاک زندگی بسر کرنا ضروری ہی۔ ہمارا کوئی قایم رہنیوالا شہر یہاں نہیں ہم تو اُس شہر کو جو آنیوالا ہی ڈھونڈھتے ہیں اِسلئیے الخ (عبرانیوں ۱۳ : ۱۴ و ۱۵) (بہتیرے چلنے والے ہیں جنکا ذکر میں نے تم سے بارہا کیا۔ اور اب رو رو کے کہتا ہوں کہ وے مسیح کی صلیب کے دشمن ہیں اُنکا انجام ہلاکت ہی۔ اُنکا خدا پیٹ ہی۔ اُنکا ننگ اُنکی بڑائی ہی وے دنیا کی چیزوں پر خیال کرتے ہیں) کیونکہ ہماری مملکت آسمان پر ہی وغیرہ (فلپیوں ۳ : ۱۸ - ۲۱) پس اُن چیزوں کی تلاش میں رہو جو اوپر ہیں جہاں مسیح خدا کے دہنے بیٹھا ہی اوپر

کی چیزوں سے دل لگاؤ نہ اُن چیزوں سے جو زمین پر ہیں۔ وغیرہ (قلسیوں ۳: ۱-۵) ان آیات میں زمینی خواہشوں کے برخلاف آسمانی چیزوں پر دل لگانے کا شوق دلایا گیا ہے۔ جو کہ خلاقی ترقی کروانے کے لئے بہت زورآور وجہہ ہے +

(۶) ایک اور وجہہ عیسویت کے خلاقی قدرت ہونے کی یہہ ہے کہ انجیل نیکی کے اجر اور بدی کی سزا کو پیش کرتی ہے بدی کی راہوں میں خوف - عذاب - ہلاکت کی خبر دیتی ہے۔ اخلاق کے مخالفوں اور بدی کرنیوالوں کے حق میں انجیل بتلاتی ہے کہ جسم کے کام تو ظاہر ہیں۔ یہی زنا حرامکاری ناپاکی۔ شہوت - بُت پرستی - جادوگری۔ دشمنان - قضئے - رشک - غضب - جھگڑے - جُدائیاں بدعتیں - ڈاہ خون - مستیاں اوباشیاں اور جو کام کہ اُن کی مانند ہیں .. ایسے کام کرنیوالے خدا کی بادشاہت کے وارث نہ ہونگے (گلتیوں ۵: ۱۹ و ۲۰ و ۲۱) لیکن ایسے کاموں کے برخلاف یہہ سکھلاتی ہے کہ دل کے غریب خدا کی بادشاہت کے وارث ہونگے۔ وے جو پاک دل ہیں خدا کو دیکھینگے۔ وے جو رحم دل ہیں اُنپر رحم کیا جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ ایسی آگاہیوں سے انجیل بھرپور ہے۔ الحاصل عیسویت ہر ایک معقول اور خدائی طور سے گناہگار انسان کو توبہ کرنے اور نیکی کرنے اور بدی کو ترک کرنے کے لئے ہدایت کرتی ہے۔ اور فی الحقیقت جو وجوہ اور طریق عیسویت اخلاقی اور روحانی ترقی کے پیش کرتی ہے اُنسے اور صرف اُنہیں سے ترقی مطلوبہ حاصل ہو سکتی ہے اور طرح نہیں +

یاد رہے کہ دیگر مذاہب کی مانند انسان کی خواہشوں یا وہموں کو پورا کرنیوالی باتیں نہیں کہتی جن سے خوش ہو کر جلدی اُسے قبول کریں اور ظاہری باتوں اور رسموں کو اخلاقی ترقی کے لئے مکتفی

نہیں جانتی بلکہ انسان کے گمراہ اور کمزور دل کو مخاطب کرتی ہے۔ کیونکہ ہر طرح کے گناہ کا اخراج دل ہی سے ہوتا ہے ÷

(۷) مسیحی عبادت۔

مسیحی عبادت کا اصول اور انتظام ایسے ہیں کہ انسان کو سراسر خداشناسی اور روحانیت کی طرف مائل کرنیوالے اور ترقی دینیوالے ہیں۔ پر اِس عبادت کا مقدم اور سرتاج اصول اِس بات پر مبنی ہے کہ خدا کے خالق اور پروردگار اور قادرِ مطلق اور حاضر و ناظر ہونے کے سبب صرف اُسی کی بندگی کرنی چاہیئے۔ اور اِس بات کو عیسویت نہ صرف اپنے فرمانوں بلکہ قدرت کی چیزوں سے بھی واجبی ٹھہراتی ہے۔ قدرت کے کاموں سے یوں واضح کرتی ہے کہ خدا کی بابت جو کچھ معلوم ہو سکتا اُنپر ظاہر ہے کیونکہ خدا نے اُسکو اُنپر آشکارا کیا۔ اسلئے کہ اُسکی صفتیں جو دیکھنے میں نہیں آتیں یعنے اُسکی ازلی قدرت اور خدائی دنیا کی پیدایش کے وقت سے خلقت کی چیزوں پر غور کرنے میں ایسی صاف معلوم ہوتیں کہ اُنکو کچھ عذر نہیں۔ (نامہ رومیوں ۱: ۱۹ و ۲۰) خدا جس نے دنیا اور سب کچھ جو اُس میں ہے پیدا کیا جس حال کہ وہ آسمان اور زمین کا مالک ہے ہاتھہ کی بنائی ہوئی مندروں میں نہیں رہتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تو آپ سب کو زندگی اور سانس اور سب کچھہ بخشتا ہے اور ایک ہی لہو سے آدمیوں کی سب قوم تمام زمین کی سطح پر بسنے کے لئے پیدا کی اور مقرر وقتوں اور اُنکی سکونت کی حدّوں کو ٹھہرایا تاکہ خداوند کو ڈھونڈھیں۔ اعمال ۱۷: ۲۴-۲۷۔ عیسویت کی اپنی ہدایت یہہ ہے کہ خدا ایک ہی ہے اُسکے سوا اور کوئی نہیں اور اُسکو سارے دل سے اور ساری عقل سے اور ساری جان سے اور سارے زور سے پیار کرنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سب سوختنی قربانیوں

اور ذبیحوں سے بہتر ہی (مرقس ۱۲: ۳۳) تب یسوع نے اُسے کہا کہ ای شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہی
کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے کی بندگی کر - متی ۴: ۱۰) +

(ب) عبادت کی انسانی ایجادوں کو منع کرتی ہی تاکہ صرف خدا کی بندگی ہوا کرے -

(۱) لیکن وے عبث میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ تعلیم کرنے میں انسان ہی کے
حکم سناتے ہیں (متی ۱۵: ۹) (خدا) ہاتھہ کی بنائی ہوئی بسندروں میں نہیں رہتا نہ آدمیوں
کے ہاتھہ سے خدمت لیتا گویا کہ کسی چیز کا محتاج ہی (اعمال ۱۷: ۲۵) تم کیوں اُن کی مانند جو
دنیا میں زندہ ہیں دستور پرست ہو . . . . یہہ ساری چیزیں اُنہیں کام میں لاتے ہی نیست ہو جاتی
ہیں - آدمیوں کے حکموں اور تعلیموں کے موافق - یہہ چیزیں تو زائد الفرض یا ایجاد کی ہوئی عبادت
اور خاکساری اور بدنی ریاضت اور تن کی عزت نہ کرنی کہ اُسکی خواہشیں پوری ہوویں حکمت کی
صورت رکھتی ہیں (قلسیوں ۲: ۲۰-۲۳) +

(۲) ہر قسم کی مخلوق پرستی - وے مخلوق خواہ فرشتے ہوں خواہ بدروحیں - خواہ انسان
اور خواہ بے حس چیزیں عیسویت کی رو سے منع ہیں - اور خدا کے آگے نفرت انگیز اور انسان کے
حق میں واجب السزا ٹھہراتی ہی (خروج ۲۰: ۴ و ۵ و ۶ - گلتیوں ۴: ۸ و ۹ و ۱۰ - رومیوں
۱: ۲۱-۲۳ - قلسیوں ۲: ۱۸ - متی ۴: ۹ و ۱۰ - ۱ قرنتیوں ۱۰: ۱۴ - ای میرے پیارو تم
بت پرستی سے بھاگو - ۱ یوحنا ۵: ۲۱ - ۱ قرنتیوں ۸: ۴ و ۵ +

(۳) اِن سب کے برخلاف روح اور راستی سے خدا کی بندگی کرنے کو واجب ٹھہراتی ہی
(یوحنا ۴: ۲۴ +

(ج) - دعا مانگنا - عبادت کے اِس جزو کو عیسویت خدا کے حکم اور انسان کی کمزوری

اور محتاج حالت کے سبب ضروری ٹھہراتی ہے - مرقس ۱۱: ۲۴ - اور دیکھو لوکا ۱۸: ۷ - پس کیا خدا اپنے برگزیدہ لوگوں کا جو رات دن اُس سے فریاد کرتے ہیں انصاف نہ کریگا - کیا اُنکے واسطے دیر کریگا - میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ جلد اُنکا انصاف کریگا +

(۱) دعا مسیح کے نام سے مانگنے کو ضروری بتلاتی ہے - یوحنا ۱۴: ۱۳ و ۱۴ - اور جو کچھ تم میرے نام سے مانگوگے میں وہی کرونگا - تاکہ باپ بیٹے میں جلال پاوے - اور بھی دیکھو ۱ پطرس ۲: ۵ +

(۲) خدا کی مرضی کے موافق مانگی جاوے - ۱ یوحنا ۵ ۱۴ - اور ہمارا اعتقاد جو اُس کی بابت ہے سو یہی ہے کہ اگر ہم اُس کی مرضی کے موافق کچھ مانگیں وہ ہماری سُنتا ہے +

(۳) گناہوں کی معافی اور آزمایش سے بچنے کے لئے - متی ۶: ۱۲ و ۱۳ خداوند کی دعا کل یاد رکھنے کے لایق ہے +

(۴) اپنے لئے اور دوسروں کی بہتری کے لئے - یوحنا ۱۷: ۲۰ - میں صرف اُنہیں کے لئے نہیں بلکہ اُنکے لئے بھی جو اُنکے کلام سے مجھہ پر ایمان لاوینگے عرض کرتا ہوں تاکہ وے سب ایک ہوویں وغیرہ ۱ تمطاؤس ۲: ۱ و ۲ و ۳ اب میں التماس کرتا ہوں کہ سب سے پہلے مناجاتیں اور دعائیں اور سفارشیں اور شکر گذاریاں سارے آدمیوں کے لئے کیجاویں - بادشاہوں اور مرتبے والوں کے لئے تاکہ ہم کمال دینداری اور سنجیدگی سے چلیں اور آرام کے ساتھہ زندگانی گذرانیں کیونکہ ہمارے نجات دینوالے خدا کے آگے یہی خوب اور پسندیدہ ہے - متی ۵: ۴۴ و ۴۵ - اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں اُنکے لئے برکت چاہو - جو تم سے کینہ رکھیں اُنکا بھلا کرو - اور جو تمہیں دُکھہ دیں اور ستاویں اُنکے لئے دعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو الخ +

(۵) دعا مانگنے کے لئے وقت کی قید فضول ٹھہراتی ہے۔ متی ۶ : ۵ اور جب تو دعا مانگے وغیرہ افسیوں ۶ : ۱۸ ۔ کمال آرزو و منت کے ساتھ ہر وقت روح میں دعا مانگو۔ تلسیوں ۴ : ۲ ۔ دعا مانگنے میں مشغول رہو + +

(۶) معلوم زبان میں دعا مانگنی چاہیئے تاکہ اپنے کو اور دوسرے کو جو حاضر ہو معلوم ہووے کہ کیا مانگتے ہیں۔ اقرنتیوں ۱۴ : ۱۴ ؁ اگر میں کسی بیگانہ زبان میں دعا مانگوں تو میری روح دعا مانگتی ہے پر میری عقل بیکار ہے۔ پس میں کیا کروں میں روح سے دعا مانگونگا اور عقل سے بھی دعا مانگونگا" یہہ تعلیم جاہل سے جاہل آدمی کو بھی خدا سے اپنی حاجتوں کا بیان کرنا آسان کرتی ہے اور جسکو وہ سمجھکے کر سکتا ہے مگر کسی زبان میں دعا مانگنا جسکو مانگنیوالا نہیں سمجھتا اُسمیں اُسکا دل نہیں ہو سکتا۔ حافظہ کا کام ہے +

(۷) کلام الٰہی کا پڑھنا اور سُننا اور سنانا اور عمل کرنا۔ دیکھو پہلا زبور۔ مبارک وہ آدمی ہے جو خداوند کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اُسکی شریعت میں سوچا کرتا ہے۔ ۲ تمطاؤس ۴ : ۲ ۔ تو کلام کی منادی کر وقت اور بے وقت مستعد رہ ۔ کمال برداشت اور تعلیم سے الزام دے اور ملامت اور نصیحت کیا کر۔ یعقوب ۱ : ۲۲ لیکن تم کلام پر عمل کرنیوالے ہو نہ آپ کو فریب دیکر صرف سُننیوالے +

(۸) خدا کی تعریف میں زبور گانا۔ قلسیوں ۳ : ۱۶ ۔ تم زبور اور گیت اور روحانی غزلیں شکر گذاری کے ساتھ خداوند کے لئے اپنے دلوں سے گاؤ۔ اور بھی دیکھو افسیوں ۵ : ۹ +

حاشیہ + یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کو دُعائیں سُننے کی ہمیشہ فرصت ہے مثل دُنیاوی آقاؤں کے وہ عرض سُننے کے لئے وقت بندی کا محتاج نہیں جو کہے کہ وقت مقرری پر دُعا مانگو۔ اوقات نماز کا انتظام بندے کو خود کرنا چاہیئے۔ عبادت الٰہی میں وقت اور جگہ اور خاص طرف کی قید ہونا عیسویت کی عمومیت کی ایک دلیل ہے +

(۹) سبت کا دن پاک رکھنا۔ خروج ۲۰: ۸ یسعیاہ ۵۶ : ۲۔ ا قرنتیوں ۱۶: ۲۔
واضح ہو کہ سبت کو پاک رکھنا یہہ ہی کہ دنیاوی کاموں کو ملتوی کرکے وہ دن خدا کی بندگی اور دینی
شغل میں صرف کریں۔ خداوند خالق نے ابتداء عالم میں خود اسبات کا نمونہ دیا۔ پیدایش ۲: ۱-۳ +

واضح ہو کہ مسیحی عبادت کیواسطے کسی جگہہ یا خاص طرف کی قید نہیں۔ ملاکی ۱: ۱۱۔ آفتاب
کے طلوع سے اُسکے غروب تک میرا نام قوموں کے درمیان بزرگ ہوگا اور ہر مکان میں میرے نام پر لبان
اور پاک ہدیے گذرانے جائینگے۔ کیونکہ میرا نام قوموں کے درمیان بزرگ ہوگا رب الافواج فرماتا ہی
یوحنا ۴: ۲۱ و ۲۳۔ یسوع نے اُسسے کہا کہ ای عورت میری بات کو یقین رکھہ کہ وہ گھڑی آتی ہی کہ
جس میں تم نہ تو اِس پہاڑ پر اور نہ یروسلم میں باپ کی پرستش کروگے ۔ ۔ پر وہ گھڑی آتی ہی بلکہ
ابھی ہی کہ جس میں سچے پرستار روح اور راستی سے باپ کی پرستش کرینگے۔ اتمطاؤس ۲: ۸۔
پس میں چاہتا ہوں کہ مرد ہر مکان میں بے غصہ اور بے حجت پاک ہاتھوں کو اُٹھاکے دعا مانگیں

الحاصل مسیحی عبادت کا ہر جز واس بات کی طرف مائل کرنیوالا ہی جس کی انسانی طبعیت
مخالف ہو رہی ہی۔ ہاں اُس کی ہر ایک بات اخلاقی اور روحانی ترقی میں مدد دینیوالی ہی دلوں
کو خدا اور اُس کی سچائی کی طرف مائل کرنیوالی ہی اگر انسان یہہ روحانی شغل دل سے کرتا رہے
تو اخلاق اور روحانیت میں ترقی کرنا لازمی ہوگا۔ اُسکی ہر ایک بات گناہ کی طرفسے نفرت پیدا
کرنیوالی ہی۔ اور عیسویت کا یوں اخلاقی قدرت ہونا الہام کی ایک بڑی حکمت ہی۔ خدائی حکمت ہی
جس سے انسان خدا کی کھوئی ہوئی صورت پر بحال ہووے اور نئی انسانیت کو پہنے۔ کیا عیسویت
کا ایسا ہونا ثابت نہیں کرتا کہ عیسویت خدا کی مرضی اور اُسکے الہام سے ہی۔ ای دنیا کے فلاسفرو
!! عیسویت کی اس قدرت اور اپنی اپنی فلاسفی کی قدرت کا مقابلہ کرو۔ اور معلوم کرو کہ حقیقت میں

کونسی اخلاقی قدرت ہی۔ اور اپنے غرور اور دھوکھے سے پھرو۔ ای تم جو دنیا میں حقیر اور ناچیز ہو مگر حقیقت میں گناہگار ہو تمہارے لئے عیسویت خدا کی طرف سے ایک بڑی حکمت ہی تاکہ گناہوں سے چھٹکر پاکیزگی حاصل کرو۔ اور خدا کے حضور مقبول اور پسندیدہ ہو جاؤ۔ ای میرے مسیحی بھائیو!! خوش ہوا ور شکر بھیجو کہ ہماری روحانی ترقی کے لئے خدا نے اپنی حکمت سے ایسا سامان کیا جس سے ہماری راستبازی دنیا کے فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ ہو سکتی ہی۔ یاد رہے کہ عیسویت ایسی تعلیم سے معمور ہو کر فریب یا دھوکھا نہیں ہی اور نہ دھوکھے بازوں کی گھڑت ہی۔ ہو ہی نہیں سکتا ہی کہ اسکو ایسا کہہ سکیں۔ لیکن ہماری روحانی ترقی کے لئے وہ خدا کی قدرت ہی پہلے حصہ میں ہم نے یہہ امر پیش کیا تھا کہ الہام عقل کا مددگار ہی۔ اور اب ہم نے ثابت کیا کہ عیسویت فی الحقیقت وہی مددگار ہی۔ اسی کے ذریعہ سے گمراہ عقل اور دُھندلا ضمیر اور باطل ایمان مدد پاتے اور روشن ہوتے ہیں۔ اور یوں عیسویت انسان کی اعلیٰ اور روحانی طاقتوں کو ترقی دیکر اور سچائی کی طرف پھیرتی ہی۔ اور اخلاقی عمل کے لئے قوی طریقہ پیش کرتی ہی ✣

غلط فہمی سے آگاہی

پہلی آگاہی۔ دنیا کے ریفارمروں میں بعضے بالکل اسبات کی تعلیم اور تاکید کر گئے ہیں اور کرتے ہیں کہ جسم کی خواہشوں کو پورا کرنا ہی اخلاق ہی اور جسکا اثر یہانتک ہو گیا کہ جسم سے دشمنی کرنا اور اُسے اذیت پہنچانا روح کی خیر کا ذریعہ مانا جاتا ہی۔ اِسی کو ترک الدنیا کہہ گئے ہیں اسکے برخلاف دوسری حد تک اپی قورس کے ہم خیالوں والی فلاسفی ہی یہہ فقط جسمانی خوشیوں کو ہی تمامی نیکی تصور کرتے اور اُن ہی کو حاصل کرنا زندگی کی مقدم غرض سمجھتے ہیں یعنے ایک تو جسم

کو ننگا بھوکا اور دُکھی رکھنا روح کے لئے ثواب جانتے اور دوسرے جسم کو کھلانا پہنانا اور
آرام دینا مقدم سمجھتے ہیں۔ اب کوئی یہہ گمان نہ کرے کہ عیسویت اُن میں سے کسی ایک کا ساتھ
دیتی ہے یہہ دونوں انسان کی فطرت کے برخلاف اور حد سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں اور اُن
باتوں کو اخلاقی نیکی بتلاتے ہیں جو حقیقت میں اسکے برخلاف ہی۔ پس اپیؔ کورس والی فلاسفی جو صرف
جسمانی خوشیوں اور آرام کو حاصل کرنا مقدم اور خلاصہ نیکی بتلاتی ہی اسکو عیسویت ان لفظوں میں
بیان کرتی ہی کہ اُنکا خدا پیٹ ہی وے دنیا کی چیزوں پر خیال رکھتے ہیں (فلپیوں ۳: ۹)

اِن دونوں قسموں میں یہہ مُہلک نقص ہی کہ ایک جسمانی خوشیوں کو قطعاً ترک کرواتی ہی
اور دوسری فقط اُنہیں کی پیروی اور تحصیل کو مد نظر رکھتی ہی قسم مقدّم روح کو جسم سے اعلٰی سمجھتے
ہیں اور جسم کو روح کا غلام یا روح کے لئے قید خانہ سمجھتے ہیں اور اِسلئے جسم کو دُکھہ دینا روح کی رہائی
کا ذریعہ جانتے۔ مگر جسم کو ایسا سمجھنا اور اِسلئے اُسے دُکھہ دینا اور اُس سے وہ خوشی اور آرام
باز رکھنا جو فطرت نے لازمی ٹھہرائی ہیں انسان کی فطرت کے عین برخلاف ہی اور خدا کی مرضی کے
مخالف ہی جس نے ایسی فطرت انسان کو بخشی ہی۔ روح اور جسم میں ذاتی اتحاد ہی گو روح روح ہی
اور جسم جسم ہی۔ اور اگر جسم کی پرورش نہ کیجاوے اور اُس کی خواہشیں اعتدال کے ساتھہ پوری نہوں
تو روح اندر حیران ہوتی۔ بے قرار ہوتی۔ اور کمزور سی معلوم ہوتی ہی۔ دیکھو جب جسم کو تکلیف پہونچتی
تو وہ تکلیف سے بچنے چاہتا ہی۔ مگر جسم بذات خود روح سے علیحدہ کسی چیز کی خواہش نہیں کرسکتا (کسی
مُردہ کو دیکھو) لیکن روح جسم میں ہوکر جسم کو تکلیف سے بچانے چاہتی ہی۔ اسکو اپنا جسم جانتی ہی
اور اِسلئے جب جسمانی تجاوز سے جسم کو تکلیف پہنچتی ہی تو ویسی حرکت سے جسم کو باز رکھنے کی بھی خواہشمند
ہوتی ہی۔ گو اکثر اوقات جسمانی خوشیوں اور خواہشوں سے مغلوب ہوکر اُس تکلیف کا خیال نہیں کرتی

اس فلاسفی کا نتیجہ اس بُری حد تک پہنچتا ہے کہ اسکے پیرو نہ صرف اپنے سر پر کے دشمن بنجاتے ہیں بلکہ اوروں کے حق میں بھی وے بے درد اور بے رحم ہو جاتے ہیں پس جسم سے واجبی اور ضروری خوشی کو باز رکھنا فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور اسکے مقابل میں ایپی قورس کی فلاسفی درست ہوتی اگر وہ فقط جسمانی خوشی کو سب کچھہ نہ ٹھہراتی اور صرف اُسی کی تحصیل کو مآل مقدم نہ بتلاتی یہہ روح کی کچھہ پرواہ نہیں کرتی۔ اِس نفسانی فلاسفی کے برخلاف عیسویت ہمیں یہہ بتلاتی ہے کہ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ صرف یہی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائینگے یا کیا پینینگے؟ (متی باب ۶ آیت ۲۴ وغیرہ) صرف اسی فکر میں رہنے سے خدا سے غافل ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف جسم کو سراسر ہیچ اور ناقابل پرورش جاننے کے برخلاف یہہ کہتی ہے کہ تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم اُن سب چیزوں کے محتاج ہو پر تم پہلے خدا کی بادشاہت اور اُس کی راستبازی کو ڈھونڈھو تو یہہ سب چیزیں بھی تمہیں ملینگی۔ (متی ۶: ۳۲ و ۳۳) اس طرح ہم معلوم کرتے ہیں کہ عیسویت انسان کی فطرتی حالت کو درست کرنیوالی اور ترقی دینیوالی ہے نہ کہ صرف نفسانیت یا صرف تکلیفوں سے اسکو فنا کرنیوالی ہے مسیح کی تعلیم کی عملی نظیریں ہم اس کی اور اسکے سچے پیرووں کی زندگی میں پاتے ہیں۔ اور لازم ہے کہ ہم ویسی ہی زندگی گذرانیں۔ اور دنیا کے لوگوں کی دھوکے بازیوں سے ہشیار رہیں +

دوسری آگاہی۔ عیسویت کے اس طور سے اخلاقی قدرت ہونے کے مقابل میں وے لوگ جو بن سوچے اسکے مخالف ہیں یا وے جو صلح کُل کے اصول (یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام) کے معتقد ہیں دو قسم کی باتیں پیش کر سکتے ہیں اور یوں عیسویت سے علیٰحدہ رہنے میں کچھہ خطرہ یا بُرائی نہیں دیکھتے +

اوّل یہہ کہ کیا انسان عموماً اس قدرت کے مغلوب ہو گئے ہیں؟ نہیں۔ اور یا کہ نیکی ویسی ہی مشکل اور کم ہے جیسے عیسویت کے بغیر تھی۔؟ ہاں ٭

دوسرے یہہ کہ عیسویت سے باہر دنیا داروں اور دینداروں گذشتہ و حال میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبھی مسیحی تربیت نہیں پائی اور بعضے ہیں جنہوں نے عیسویت کا انکار کرنے پر بھی ایسی نیک زندگی بسر کی ہے جو دیانتداری اور محبت میں عیسائیوں کی روحانی زندگی سے کم نہیں ہے۔ حالانکہ بہت ہیں جنہوں نے عیسویت کی تربیت پائی ہے اور پھر بھی اُنکے برابر نہیں ہیں بلکہ زیادہ شریر ہیں ٭

بے شک یہہ غور طلب باتیں ہیں اور بہتیرے لوگ ہیں جو ایسی باتوں کے پھیر میں پڑکر عیسویت کی بابت زیادہ سوچ نہیں کرتے۔ لہذا ہمیں واجبی طور سے آگاہ کرنا ہمارے مقصد کے مناسب ہے۔ پہلی بات کے پہلے حصہ پر ہم بھی صاد کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے حصہ پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہم برابر اسباب کو واضح کرتے رہے ہیں کہ انسان کے لئے اخلاق میں ترقی کرنے کا بڑا بھاری وسیلہ صرف عیسویت ہے۔ اور یہہ نہیں کہ عیسویت سے سب لوگ پوری پاکیزگی اور کاملیت حاصل کر چکے ہیں بلکہ عیسویت ترقی کا ذریعہ ہے۔ اور یہہ ترقی نہ صرف صفت بلکہ شمار کو بھی شامل کرتی ہے۔ یعنے خوبی میں بھی لوگ ترقی کر سکتے ہیں اور ایسی ترقی کرنیوالوں کا شمار بھی بڑھ سکتا ہے۔ ہاں اسکے ذریعہ سے سب ترقی کا سامان پاکر ترقی کر سکتے ہیں۔ اور اگر سب اس قدرت کے مغلوب نہیں ہوئے تو اِس کا سبب ہے۔ بعضے اب تک اُس سے بے خبر ہیں۔ اور بعضے اِسکی ہدایتوں سے ایسے لاپروا ہیں جیسا کوئی جسم کی پرورش کرنے کے لئے اُن سامانوں سے بے پروا رہتا ہے جو اس غرض کے لئے خالق نے مہیا کئے ہوئے ہیں۔ اور اِسلئے وے بھوکھ پیاس اور دُکھ تکلیف کو

اپنے اوپر وارد کرتے ہیں۔ اور بعضے ہیں جو صرف جسم ہی کی فکر میں لگے ہیں اور اخلاقی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ یہہ لوگ اگر خبر پاکر عیسویت کے تقاضی کے شنوا ہوویں تو اخلاقی اور روحانی ترقی میں ذرہ بھی فرق نہ رہے۔ عیسویت کو خدا نے اسی لئے ظاہر کیا ہی کہ ایسی غفلت سے انسان کو بیدار کرے۔ پہلی بات کے دوسرے حصے سے ہمیں اسلئے انکار ہی کہ نیکی عیسویت کے ذریعہ سے سہل اور زیادہ ہوگئی ہی سہل ہونا اسکا اس سامان کے ذریعہ سے ہوگیا ہی جسکا ہم نے اِس مقصد میں ذکر کیا ہی۔ اور زیادتی کے لئے دینی تواریخ شاہد ہی +

دوسری بات کی بابت ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم بھی کرلیویں تو بھی دنیا کا عیسویت کے بغیر رہنا ہم نہیں مانسکتے۔ اور وہ بعضے جنہوں نے عیسویت کے منکر ہوکر بھی اچھی زندگی بسر کی اور کرتے ہیں بلکہ عیسایوں کی زندگی اُن کے برابر نیک نہیں ہی۔ اِسکی بابت ہم اِن لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ منکر ہونے سے پہلے مسیحی تربیت پا چکے تھے۔ جسکا اثر اُن میں سے بالکل معدوم ہونا محال ہی۔ مثلاً یورپ۔ اگرچہ اُسمیں ایسے منکر ہو گذرے ہیں اور اب بھی ہیں تاہم پندرہ سو برس ۱۵ سے عیسویت نے اُس حصۂ زمین کی اخلاقی ہوا کو اپنے اثر سے تر کیا ہوا ہی۔ اس حال میں کوئی نیکی جو اُس گرد نواح میں عیسویت سے آزاد ہونے کا دعویٰ کرے تو بالکل لچر ہی۔ نیکی کی بابت جو خیالات اور محاورے منکروں میں ہوں خواہ مومنوں میں وہ عیسویت کے ہیں۔ مسیحی کلیسیا نے مہیا کئے ہوئے ہیں۔ پس ایسے منکروں کے بھروسے عیسویت کو دنیا سے خارج نہیں کرسکتے۔ باقی رہے وہ جو عیسویت سے باہر ہیں اور تھے اور نیکی کرتے ہیں۔ نیک کہلاتے ہیں حتیٰ کہ دنیا کے لوگ اُنکے پیرو بھی ہو جاتے رہے ہیں۔ تو ایسوں کی نسبت ہم آپ لوگوں کو یہہ آگاہی دیتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ یہہ نہیں کہ

عیسویت سے باہر اور کہیں اخلاق ہی نہیں ۔ بلکہ یہہ کہ کامل اخلاق صرف عیسویت میں ہی ۔ عیسویت میں ہوکر اخلاق کے پورے قدر تک بڑھ سکتے ہیں ۔ اور اُس سے باہر جسقدر اخلاق ہی وہیں تک انسان ترقی کرسکتا ہی ۔ کیونکہ دیگر مذاہب اور فلاسفروں کے طریقوں میں اخلاق کی تعلیم ایک اتفاقیہ اور ناکافی امر ہی ۔ حالانکہ عیسویت میں یہی اصل بات ہی اسلئے وہ لوگ جو دنیا میں نیک مشہور ہوگذرے ہیں یا اب ہیں اُنکی نیکی اور راستبازی کو اگر پھر کہا جائے تو اخلاقِ عیسوی کے مقابل میں ناقص ٹھہرتی ہیں ۔ عیسویت ایسوں کو یہہ کہتی ہی کہ ابھی تجھے ایک چیز باقی ہی (مرقس ۱۰ : ۲۱) اور یہہ بھی یاد رہے کہ دنیا داروں میں اکثر دوکاندار اور سوداگری پیشیہ کے لوگ دیانتداری اور خوش سلوکی برتتے ہیں تاکہ نفع حاصل کریں ۔ مگر اُن کے دیگر اصولوں کا خیال کرنا چاہئے کہ وہ کیسے ہیں ۔ اگر یہہ لوگ ایسے ہی طور پر زندگی صرف کرتے رہیں تو عیسویت کی رو سے وہ اُس اخلاقی ترقی اور روحانیت سے دور رہتے جو انسان کو خدا کے حضور میں جانے کے لایق کرتی ہی ۔ پس چاہئے کہ ہم اپنے تئیں ایسے دھوکوں سے بچاویں اخلاقی ترقی کے لئے دنیا کی یہہ ناکامل تدبیریں ہیں ٭

پھر معلوم ہو کہ عیسویت ہر ایک اخلاقی خوبی کا مبدا ہی اور اسکے پیرووں میں جو بدچلنیاں پائی جاویں تو وہ اُنکا موجب نہیں ہی عیسویت پر الزام اس حالت میں آسکتا اگر کسی بدخلاقی کو عیسویت جایز کرتی جیسا ہم اور مذاہب اور فلاسفروں کے طریقوں میں دیکھتے ہیں ۔ البتہ یہہ کہنے کی گنجایش ملجاتی ہی کہ عیسائیوں کے سُدھارنے میں بھی عیسویت ناکامیاب ہی مگر یہہ ناکامیابی اُسی طرح کی ہی جسطرح سوسایٹی کی دھمکیوں اور سزاؤں کے باوجود لوگ پھر بھی چوری حرامکاری اور لوٹ مار کرتے ہیں ۔ سوسایٹی اسلئے ناکامیاب رہتی ہی کہ وہ ظاہر پر عمل کرتی ہی اور عیسویت کو ناکامیابی

اِسلئے ہو جاتی ہے کہ سوسائٹی کی نسبت اُسنے مشکل کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ پس ایسی ناکامیابی سے سوسائٹی کا یا عیسویت کا فسخ کرنا لازم نہیں آتا۔ اور خصوصاً عیسویت کا جسنے دلوں کو سُدھارنے کا بیڑا اُٹھایا ہے ✣

بایں ہمہ یہہ بھی یاد رہے کہ اِن عیسایوں میں جو ظاہر میں بداخلاق غیر قوموں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اُن میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنہوں نے مسیح کی روح بالکل نہیں پائی اور سوائے عیسائی کہلانے کے نئے جنم کی پروا بھی نہیں رکھتے۔ ایسوں کے بارے میں اگر ناظرین انجیل کا مطالعہ کریں تو معلوم کرینگے کہ ایسوں کا انجام کیسا ہولناک بیان ہوا ہے۔ اسوقت وے عیسائی کہلاتے ہیں پر اُسوقت اُنکا کیا حال ہوگا (متی ۲۵ باب) دوسرے وہ ہیں جنہوں نے عیسویت کے تقاضے کی طرف رُخ کیا ہے۔ قدم اُٹھایا ہے۔ دل جھکایا ہے۔ پر ابھی اُس حد تک پہنچے نہیں۔ پُرانی انسانیت کی کمزوریاں آ دباتی ہیں۔ اور اِسلئے وہ ناجائز حرکتیں کرتے ہیں مگر باوجود اس گرنے پڑنے کے وہ اُٹھتے ہیں اور ترقی کے لئے کوشش کرتے ہیں اور آخر اپنے مطلب کو پا جاتے ہیں۔ اس سے میں یہہ ظاہر کیا چاہتا ہوں کہ روحانیت اور پاکیزگی یکلخت حاصل نہیں ہو جاتی لیکن ان کی تحصیل میں تدریج اور ترقی شامل ہے۔ پس اے ناظرین ان باتوں سے آگاہ ہو کر پھر دیکھو کہ عیسویت ہی اخلاقی قدرت ہے یا نہیں اور باوجود ایسی مستثناء باتوں کے جواب صاف ہوگئی ہیں عیسویت کے کاموں کو دیکھو اور معلوم کرو کہ اُسنے اپنی اخلاقی قدرت کو ثابت کیا ہے یا نہیں۔ یعنے جس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے سے انسان حقیقت میں فرشتہ سیرت ہو گئے ہیں یا نہیں۔ اور اسکے پیرووں میں سے جنہوں نے ایسا نہ کیا وہ دوسرں غیر قوموں کی مانند رہتے ہیں ✣

پس ای میرے مسیحی بھائیو۔ نام کے ہوخواہ کام کے اگر ہماری تمہاری راستبازی دنیا کے فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہو تو آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہونگے (متی ۵ : ۲۰) اسلئے راستبازی کے پھلوں سے جو یسوع مسیح کے سبب سے ہیں لدے رہو (فلپیوں ۱ : ۱۱) اور ای میرے ہمجنس بھائیو ا ہندوؤ اور مسلمانو! یاد رکھو کہ محمد کو ماننے سے ہم محمدی ہونگے۔ بدھ کو ماننے سے بدھ ہونگے۔ وبدوں کو ماننے سے ہم قدیم آریوں کی طرح جاہل اور خونریز ہونگے۔ اور مسیح عیسیٰ کو ماننے سے عیسائی ہونگے۔ اخلاقی اور روحانی بندے ہونگے۔ لیکن اسلئے نہیں کہ نفسانی مزے اڑا دیں یا عالم نیستی میں گم ہو جاویں۔ یا خدا داد شخصیت اور زندگی کو خدا میں ملجا کر کھو دیں اور یا گھوڑے ٹٹوؤں میں بدل کر اسے ہاتھ سے گنوائیں بلکہ اسلئے کہ راست اور پاک بنکر خداوند خالق کے حضور میں پاک اور روحانی خوشیاں حاصل کریں۔ پس توبہ کرو اور بچو۔ پرانی خود پسندی کو جانے دو نئی انسانیت کو پہنو۔ جو عیسویت ہر ایک انسان کے آگے پیش کرتی ہے۔ خدا فضل کرے آمین

راقم

جی۔ ایل۔ ٹھاکر داس

گجرانوالہ ۱۸۸۸ء